سیّاحوں کی کہانیاں

یعنی

بحر و بر پر انسانی فتوحات کے حالات

مرتّبہ

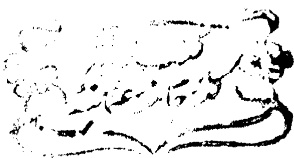
عبد المجید خاں سالک بی۔ اے

۱۹۲۶ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

قیمت

بار اوّل ۲۰۰۰



فہرست مضامین

دیباچہ

اولوالعزم قوموں کے آدمی اس قدر بلند ہمت۔ محنتی اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ کہ جب کسی کام کے کرنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ تو جنگلوں اور پہاڑوں کی کٹھن منزلیں۔ ناپیداکنار سمندروں کی وسعت اور سفر کی گوناگوں مصیبتیں بھی ان کا حوصلہ پست نہیں کرسکتیں۔ اور ان کے استقلال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی نئی نئی دریافتوں سے دُنیا کی معلومات اور اپنے ملکوں کی دولت میں بیش بہا اضافہ کردیتے ہیں+ اس کتاب میں اُن جواں مرد سیاحوں کا حال درج کیا گیا ہے۔ جنہوں نے دُنیا کے نئے نئے حصوں کو معلوم کرنے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھائیں۔ اور آخر کام یاب ہوئے+ ان کی کام یابیاں اُن کے ملکوں ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ ساری دُنیا کے لئے فائدے کا باعث ہوئیں۔ اور اہل عالم آج تک انہیں عزت سے یاد کرتے ہیں+

ہندوستانی نونہالو۔ کیا تمہیں یہ دیکھ کر غیرت نہیں آتی۔ کہ یہ تمام سیاح صرف یورپی ملکوں ہی کے رہنے والے ہیں۔ اور ان میں ہندوستان کا ایک بھی باشندہ نہیں ہے؟ کیا عزم کی بلندی مستقل مزاجی اور جفا کشی صرف یورپ ہی کے لوگوں کا حصّہ ہے۔ اور ہندوستان کے رہنے والے ان خوبیوں سے بالکل عاری ہیں؟ ہرگز نہیں۔ تم بھی اگر چاہو۔ تو دنیا کو ایسے ایسے کارنامے دکھا سکتے ہو۔ جن سے تمہارا نام قیامت تک دُنیا والوں کو یاد رہے۔ اگر اس کتاب کو پڑھ کر ہندوستان بھر میں ایک نوجوان بھی ایسا پیدا ہو جائے۔ جو اپنی محنت و جفاکشی سے اپنے نام کو غیر فانی بنا دے۔ تو میں سمجھوں گا۔ کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

عبدالمجید سالک



The Expedition of Marco-Pollo

مارکوپولو کا سفر

واسکوڈی گاما۔ کولمبس اور اِسی قسم کے دوسرے اولوالعزم ناخداؤں کو ہندوستان کا بحری رستہ دریافت کرنے کا شوق محض اس لئے ہُوا تھا کہ جو لوگ برّی رستوں سے ایشیا کے ممالک کی سیر کر کے یُورپ پہنچتے۔ وُہ اُن مُلکوں کے عجیب و غریب حالات سُناتے۔ جن سے لوگوں کی آتشِ شوق تیز ہو جاتی۔ اور وہ مطالبہ کرنے لگتے۔ کہ بہت جلد ایشیا کا بحری رستہ دریافت کیا جائے۔ تاکہ ہم لوگ ہندوستان اور چین سے تجارت کریں۔ اور ان مُلکوں میں جا کر ان کی دولت سمیٹ سکیں +

آج ہم اِن برّی سیّاحوں میں سے ایک نہایت مشہور سیّاح کے مختصر حالات بیان کرینگے + ۱۲۵۰ء کا ذکر ہے۔ کہ اٹلی کے شہر وینس میں دو سیّاح بھائی، نکولو اور میفیو رہتے تھے + یہ وُہ زمانہ تھا۔ جب پولینڈ سے لے کر چین تک تاتاریوں کی سلطنت تھی۔ اور ایشیا اور یُورپ دونوں برّاعظموں میں انہی کا طوطی بول رہا تھا + اِن دونوں سیّاحوں نے مشرق کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔ اور

بعض چھوٹے چھوٹے تاتاری تاجداروں کی بخشش سے مالامال ہوکر وطن کو واپس آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن انہی دنوں ایک بادشاہ بارک خاں اور ہلاکو خاں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ دونوں سیاح وہاں سے بھاگ کر دریائے دجلہ کے کنارے اور وہاں سے ایک لق ودق ریگستان میں سے ہوتے ہُوئے فارس کی سرحد پر بخارا پُہنچے۔ وہاں ان کا بہت خیر مقدم ہُوا۔ اور وہ تین سال تک بخارا ہی میں مقیم رہے۔ اس موقع پر ہلاکو خاں نے تمام تاتاریوں کے شہنشاہ خان اعظم قبلائی خاں کی خدمت میں ایک سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا۔ سفیر نے ان سیاحوں کو خان اعظم کے دربار میں چلنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ یہ لوگ سفیر کے ساتھ ہی چل دِئے۔ اور کوئی ایک سال تک سفر کرنے کے بعد خان اعظم کے دربار میں پُہنچ گئے۔ خان اعظم ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ تمام مشرقی و مغربی ممالک کے انتظام سلطنت۔ رومیوں کا رسوم و رواج۔ پوپ۔ کلیسا غرض ہر چیز کے متعلق اِن سے سوالات کیے۔ اور صحیح معلومات فراہم کیں۔

خان اعظم قبلائی خان نے ارادہ کیا۔ کہ اِن دونوں سیاحوں کو اپنی طرف سے سفیر بنا کر یُورپ بھیجے۔ اور وہاں سے تمام علوم و فنون کے ماہرین کو بُلا کر اپنی رعایا کو تعلیم دِلائے۔ چنانچہ اس نے ان کو واپس یُورپ بھیجدیا۔ اور رسم سلطنت کے مطابق انہیں ایک زرّیں تختی دِی گئی۔ جس پر خان اعظم کے دستخط سے یہ عبارت لکھی تھی۔ کہ یہ سیّاح جس شہر اور صوبے میں پُہنچیں۔ وہاں کے حاکم کو واجب ہے۔ کہ انہیں سواری مہیّا کرے۔ اور ان کے مصارف کا بندوبست کر دے۔

نکولو اور میفیو سفر پر روانہ ہو گئے۔ لیکن جو تاتاری سردار ان کے ساتھ جا رہا تھا کوئی بیس دن کے سفر کے بعد سخت بیمار ہو گیا + ان لوگوں نے اس تاتاری کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور خود آگے چلے۔ مگر دریاؤں کی طغیانی کے باعث بعض مقامات پر زیادہ دیر تک قیام کرنا پڑا۔ جس کے باعث وہ آرمینیا کے بندرگاہ جیازہ میں تین سال بعد پہنچے + ان سیاحوں کے پاس دوسرے فرائض کے علاوہ خان اعظم کا ایک مکتوب پوپ کے نام بھی تھا۔ لیکن ۱۲۶۸ء میں جب وہ اٹلی پہنچے، تو معلوم ہوا۔ کہ پوپ کلیمنٹ چہارد ہم کا انتقال ہو چکا ہے۔ انہیں نئے پوپ کے انتخاب تک توقف کرنا پڑا۔ اس لئے وہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے ملنے کے لئے وینس چلے گئے + وہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ نکولو کی بیوی مر چکی ہے۔ جس سے ایک انیس سال کا لڑکا مارکو پولو موجود ہے + یہ لڑکا بچپن ہی سے نہایت بہادر۔ دانشمند اور دور اندیش تھا۔ اس لئے ان دونوں سیاحوں نے اسے ساتھ لے لیا۔ اور مارکو اپنے باپ اور چچا کے ساتھ عجیب و غریب سرزمینوں کی سیر کو روانہ ہوا +

نکولو اور میفیو نے خان اعظم کے نام پوپ کا مکتوب بھی حاصل کیا۔ اس کے بعد یروشلم جا کر اس تیل میں سے جو مسیح کے مقبرے پر جلایا جاتا ہے۔ تھوڑا سا بطور تبرک لیا۔ چند پادری بھی ساتھ لے لئے۔ لیکن رستے میں بعض خطرات سفر نے ان پادریوں کے حوصلے پست کر دئے۔ چنانچہ وہ وہیں سے واپس چلے گئے + نکولو۔ میفیو اور مارکو پولو تینوں سر بفلک پہاڑوں۔ لق و دق صحراؤں۔

پُرشور دریاؤں اور برفانی علاقوں کو عبور کرتے ہُوئے ساڑھے تین سال بعد موصل بغداد - ہرمز - کرمان - خراسان - بلخ - بدخشاں - یارقند اور ختن سے ہوتے ہُوئے تاتاریوں کے شہر کلیمنسو میں پہنچ گئے + خان اعظم قبلائی خان نے جب ان کی معاودت کا حال سُنا - توان کے استقبال کے لئے قاصد بھیجے + یہ تینوں دربار میں پہنچکر خان اعظم کے قدموں میں گر پڑے - اور آداب بجا لائے + خان اعظم نے ان کی بیحد خاطر و مدارات کی - سفر کے حالات اور پوپ کی ملاقات کا ماجرا سُنا + سیّاحوں نے پوپ کا خط - اس کے تحائف اور یوروشلم کا تیل پیش کیا - بادشاہ نے ان کے لئے سیّاحوں کا بہت شکریہ ادا کیا + اتنے میں اس کی نظر مارکو پر پڑی - اس نے پُوچھا - یہ نوجوان کون ہے ؟ نکولو نے کہا - " حضور یہ میرا بیٹا اور حضور کا خادم ہے " + شہنشاہ نے اس لڑکے پر بے انتہا عنایات کیں - مارکو نے بادشاہ کی مہربانیوں سے فایدہ اُٹھا کر چار قسم کی تاتاری زبانیں سیکھیں - اور تاتاریوں کے فنونِ جنگ اور دوسرے رسم و رواج کی معلومات بھی حاصل کیں - یہانتک کہ شہنشاہ کے دِل میں گھر کر لیا + تھوڑے عرصے میں خان اعظم نے مارکو پولو کو درجہ دوم کا سفیر نامزد کر کے مجلس وُزرا میں شامل کر لیا - اور پھر چین کے بعض صوبوں میں سیاسی خدمت پر مامور کیا + مارکو نے ان صوبوں میں جاکر نہایت قابلیت اور عمدگی سے اپنے فرائض ادا کئے - اور جہاں جہاں سے گزُرا - وہاں کے لوگوں کے حالات اور عجائبات قلمبند کرتا رہا + جب واپس دربار میں آیا ، تو وُہ تمام حالات بادشاہ کو سُناتے - جو اِس کی

دانشمندی پر اسقدر خوش ہُوا۔ کہ اس کے بعد وہ چھبیس سال تک مارکو پولو کو مختلف صوبوں کی حکومت اور بہت سے دور دراز ملکوں کی سفارت پر بھیجتا رہا۔ اور مارکو نے ہر جگہ عزّت اور نیکنامی حاصل کی +

سفارت کے علاوہ کبھی کبھی مارکو خان اعظم کی اجازت سے خود بھی دُور دراز ملکوں کی سفارت پر جاتا رہا۔ اور مشرقی ممالک کے متعلق نہایت قیمتی معلومات فراہم کرتا رہا + یہ پہلا سیّاح تھا جس نے فارس کے ریگستانوں اور سرسبز میدانوں کا حال لکھا۔ چین اور اس کے بڑے بڑے دریاؤں۔ اس کی گنجان آبادیوں اور اس کے عالیشان شہروں کے حالات قلمبند کئے + اس کے علاوہ تبّت۔ برہما۔ سیام۔ کوچن چین۔ جاپان۔ مجمع الجزائر ہند۔ سیلون۔ انڈیمان۔ جبش۔ زنجبار۔ مدغاسکر۔ آرمینیا۔ شام۔ ترکستان۔ وسط ایشیا۔ کشمیر۔ ہندوستان۔ ٹرکی اور رُوس کے حالات بھی ضبط تحریر میں لایا + لیکن یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ سب حالات اس نے محض خان اعظم کو سُنانے کے لئے قلمبند کئے تھے۔ ان سے کوئی کتاب تصنیف کرنا مقصود نہ تھا +

جب مارکو۔ اس کا باپ اور چچا تینوں خان اعظم کے دربار میں ایک مُدّت دراز تک رہ کر بہت دولتمند ہو گئے۔ تو آخر وطن کی خاک نے انہیں کھینچا۔ خان اعظم بہت ضعیف ہو گیا تھا۔ اور ان تینوں سیّاحوں کو یہ خطرہ تھا کہ خدا جانے اُس کے مرنے کے بعد انہیں بخیر و عافیت واپس جانا بھی نصیب ہو یا نہ ہو + چنانچہ ایک دن جب خان اعظم بہت مسرور و مطمئن بیٹھا تھا۔ نکولو نے گزارش کی۔

کہ "اب حضور ہمیں وطن جانے کی پروانگی عطا فرمائیں، تو بہت ہی اچھا ہو+" اِس پر خان اعظم نے کہا۔ کہ آخر تم اسقدر خوفناک اور لمبے چوڑے سفر کی تکلیف میں کیوں پڑتے ہو۔ اگر تمہیں دولت کی خواہش ہو، تو مَیں تمہیں موجودہ دولت سے دُگنی اور دے سکتا ہوں+غرض وہ ان تینوں سے اسقدر مانوس ہوگیا تھا۔ کہ اس نے انہیں واپسی کی اجازت نہ دی۔ اور یہ تینوں پھر کسی مناسب موقع کے انتظار میں بیٹھ رہے+

تھوڑی مدّت بعد ایران کے بادشاہ ارغون کی بیوی خاتون بلغانہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ بادشاہ شہنشاہ تاتار کا بھتیجا تھا+اُس نے اپنی بیوی کی وصیّت کے مطابق خان اعظم کی خدمت میں تین سفیر بھیجے۔ اور درخواست کی۔ کہ مَیں اپنی ہی بیوی کے خاندان میں کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خان اعظم نے ایک مہ جمال خاتون "کوکاچن" کو منتخب کر کے سفیروں کے حوالے کر دیا+چونکہ تاتاریوں میں جنگ وجدال کا ہنگامہ برپا تھا۔ اس لئے یہ سفیر آٹھ ماہ کے سفر کے بعد واپس خان اعظم کے دربار میں آ گئے۔ اور گزارش کی۔ کہ ہم اس رستے سے اپنے وطن نہیں پہنچ سکتے+ مارکو پولو ایک مدّت سے ہندوستان گیا ہُوا تھا۔ وہ انہی دنوں واپس آگیا۔ اور اُس نے خان اعظم سے بیان کیا۔ کہ ہندوستان نہایت عجیب وغریب مُلک ہے۔ اور اس کا سمندر نہایت محفوظ ہے+جب ایرانی ایلچیوں نے یہ کچھ سُنا۔ تو اُنہوں نے خان اعظم سے گزارش کی۔ کہ بس ہمیں سمندر ہی کے رستے بھیجدیجئے۔ اور نکولو۔ میفیو اور مارکو کو جو بحری سفر میں بہت پختہ کار ہیں۔

ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ پہلے توان کے اس مطالبہ پر بہت جز بز ہوا۔ لیکن بعد میں اجازت دے دی۔ چودہ جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا گیا۔ رخصت کے وقت خان اعظم نے ان تینوں سیّاحوں سے اپنی دلی محبت کا اظہار کیا۔ اور پھر ایک سنہری تختی دی۔ جس پر تمام حکام کے نام فرمان لکھا تھا کہ ان لوگوں کے آرام و آسائش اور سامان سفر کا پورا خیال رکھیں+ اس کے علاوہ خانِ اعظم نے ان سے یہ بھی کہدیا۔ کہ تم میری طرف سے پوپ۔ شاہ فرانس۔ شاہ ہسپانیہ۔ شاہ انگلستان اور دوسرے مسیحی فرمانرواؤں کے درباروں میں سفیر سمجھے جاؤ گے+

یہ قافلہ ۱۲۹۲ء میں چین کے جنوبی مشرقی ساحل کی ایک بندرگاہ سے روانہ ہوا۔ اور بے اندازہ تکلیفوں۔ مصیبتوں۔ بیماریوں اور طوفانوں کے باعث کوئی چھبیس مہینے بعد ۱۲۹۳ء میں ایران پہنچا+ دورانِ سفر میں سفیرانِ ایران کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور جب یہ تینوں سیّاح خاتون کو ساتھ لے کر دربار ایران میں حاضر ہوئے۔ تو جس شخص کے لئے یہ خاتون بھیجی گئی تھی اُس کا انتقال ہو چکا تھا+ آخر اس غریب خاتون کی شادی ایران کے نئے حکمران کیخاتو کے بیٹے غازن کے ساتھ کر دی گئی+

یہ تینوں سیّاح کوئی نو ماہ ایران میں مقیم رہے۔ اور پھر شاہ کیخاتو کا فرمان لیکر اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ اثناء سفر میں خبر ملی۔ کہ شہنشاہ تاتار خان اعظم قبلائی خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ بہرحال وہ طرابزون سے قسطنطنیہ اور وہاں سے وینس پہنچ گئے اس وقت وینس اور جنیوا کی جمہوری سلطنتوں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ مارکو

بھی وینس کے ایک زبردست جنگی جہاز کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ لیکن دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ لیکن جب دوسرے سال ۱۲۹۹ء میں دونوں سلطنتوں کے درمیان عہد نامہ صلح ہو گیا۔ تو مارکو بھی اپنے ملک کو واپس بھیجدیا گیا +

جن دنوں مارکو جینوا کے ایک قیدخانے میں مقیّد تھا۔ پیسا کا رہنے والا ایک مصنّف اسٹی سیانو بھی اس کے ساتھ ہی دشمنوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا۔ ان دونوں کے درمیان انتہائی دوستی اور محبّت ہو گئی۔ اسٹی سیانو نے مارکو پولو کی زبانی اس کی سیاحت کے جو حیرت انگیز واقعات سنے تو اس نے مارکو سے کہا۔ کہ یہ حالات تو کتاب کی صورت میں مرتب ہو جانے چاہئیں + اس زمانے کے اُمرا تصنیف و تالیف کو لغو چیز سمجھتے تھے۔ لیکن مارکو اپنے دوست کی خواہش پر رضامند ہو گیا + اور اسے تمام حالات من و عن سُنا دئے۔ اس کے علاوہ بہت سی یادداشتیں اُن روداروں سے بھی حاصل ہوئیں۔ جو مارکو نے خان اعظم کے لئے تیار کی تھیں + غرض اسٹی سیانو نے مارکو پولو کے سفر کے حالات قلمبند کر کے دُنیا پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ سفرنامہ آجکل ہر زبان میں مل سکتا ہے۔ اور اس میں اُن تمام مُلکوں کے حالات درج ہیں۔ جن میں جانے کا موقع مارکو پولو کو ملتا رہا۔ یہاں اُن حالات کا خلاصہ بھی درج کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اِس چھوٹی سی کتاب میں اتنی گنجائش نہیں +



ہندوستان کا بحری راستہ

ہمیں اس زمانے میں خُدا کے فضل سے سمندر کے سفر کی تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ تیز رفتار جہاز۔ روشنی کے مینار بڑی بڑی عالیشان بندرگاہیں۔ بے تار کی تار برقی غرض ساری نعمتیں میسّر ہیں۔ آج کل سمندر کا سفر ریل اور موٹر کے سفر کی طرح بے خطر اور آسان ہو گیا ہے۔ اور ہم اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ پُرانے زمانے کے جہاز ران نقشے اور کمپاس کے بغیر چھوٹے چھوٹے جہازوں میں سوار ہو کر نئے نئے مُلکوں کی تلاش میں کیونکر نکل کھڑے ہوتے تھے۔ اور انہیں یہ ہمّت ہی کیونکر پڑتی تھی۔ کہ اندھا دھند اپنے آپ کو سمندر کی لہروں کے رحم پر چھوڑ دیں ٭

کہتے ہیں کہ بحر اوقیانوس میں چند جزیرے تھے۔ جنہیں یُورپ کے پُرانے لوگ "جزائر قسمت" کہا کرتے تھے۔ جس وقت لوگوں کو جُغرافیائی دریافت کا شوق چرایا۔ تو اُنھوں نے سب سے پہلے یہ جزیرے دریافت کئے۔ اور پھر پندرھویں صدی میں مڈیرا کا پتہ چلایا۔ اِن دریافتوں کے بعد لوگ دلیر ہو گئے۔ اور کیتھے یا چین تک بھی پُہنچنے لگے۔ جب اُنھوں نے واپس آکر ایشیا کی عجیب و غریب کہانیاں سُنائیں۔ اور ایشیائی مُلکوں کی شان و شکوہ کا ذکر کیا۔ تو یُورپ والوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ بیرونی دُنیا کے اَور حالات بھی جلد

سے جلد معلوم کیئے جائیں +

ہر جہاز ران کو یہی فکر تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح کیتھے تک پہنچنے کا بحری رستہ دریافت کر لیا جائے۔ لیکن سوال یہ تھا۔ کہ کونسی سمت سفر شروع کیا جائے + کچھ لوگ تو یہ کہتے تھے۔ کہ مغرب کی طرف لنگر اُٹھانا چاہیئے۔ لیکن بعض کا یہ خیال تھا۔ کہ ساحل افریقہ کے گرد گھوم کر ہی کیتھے پہنچ سکتے ہیں + حقیقت یہ تھی۔ کہ یہ دونوں رستے مشرق ہی کو جاتے تھے۔ اور ان جہاز رانوں کو یہ خبر ہی نہ تھی۔ کہ یورپ کے مغرب اور ایشیا کے مشرق میں ایک اَور عظیم الشان برّاعظم (امریکہ) پڑا ہے۔ ان کی بے خبری کا یہ عالم تھا۔ کہ جب اُنہوں نے یہ برّاعظم تلاش بھی کر لیا۔ جب بھی اسے ایشیا ہی سمجھتے رہے +

پرتگال کے جہاز ران شہزادے ہنری نے بہت سے آدمیوں کو افریقہ کے ساحل کی طرف بھیجا تھا۔ چنانچہ ۱۴۸۴ء میں ڈیگوکیم نے کسی قدر آگے بڑھ کر کانگو کا ایک حصّہ بھی دریافت کر لیا تھا + اس کے دو سال بعد بارتھولومیو ڈیاز نے راس امید کے گرد پہلا بحری سفر کیا۔ جس نے دُنیا کی تاریخ میں ایک نیا باب کھول دیا + اس کے ملاح ڈر اور خوف کے مارے کانپتے رہے۔ اور اسے دھمکیاں بھی دیتے رہے۔ لیکن وہ کانگو سے آگے بڑھ ہی گیا۔ اس نے یہ پکّا ارادہ کر رکھا تھا۔ کہ اوّل تو بحرِ ہند میں پہنچنا ہے۔ ورنہ کم از کم افریقہ کے آخری نقطے تک تو ضرور ہی جانا ہے +

ڈیاز اپنے جہاز کو سمندر کی خوفناک موجوں کے درمیان لیئے جا رہا تھا۔ کہ

اتنے میں ایک سخت طوفان برپا ہُؤا۔ اور جب ہوا کا زور شور تھا۔ تو ڈیاز نے کیا دیکھا۔ کہ وہ ایک ایسے ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ جو مشرق کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ گویا وہ "راس اسید" پر پُہنچ چکا تھا۔ اس کے ملاحوں نے سخت تقاضا کیا۔ کہ خُدا کے لئے اب واپس چلو۔ لیکن اس بہادر جہازران نے کئی دن تک ان کی ایک نہ سُنی۔ اگرچہ اسے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اب کیا دریافت ہونیوالا ہے۔ لیکن کم ازکم اتنا خیال ضرور تھا۔ کہ ساحل کا مشرق کی طرف بڑھتے چلے جانا کچھ نہ کچھ معنی ضرور رکھتا ہے ÷

آخر ایک دن ملّاحوں نے آگے بڑھنے سے صاف جواب دے دیا۔ اور اب جو کچھ ہو چکا ہے۔ یہی کافی ہے۔ ہم نے اتنا لمبا سفر کیا ہے کہ ہم سے پہلے کسی جہازران کو اتنی توفیق نہیں ہُوئی۔ پھر کیوں خواہ مخواہ ہم اپنی جان جوکھوں میں ڈالے رکھیں ÷ آخر ان کا تقاضا ڈیاز کی ہمت پر غالب آگیا۔ اور وہ بادلِ ناخواستہ جہاز کو واپس لے چلا ÷ جب اس نے جہاز کو گھما کر واپس لے جانے کا ارادہ کیا۔ تو ساحل اس کے دائیں ہاتھ تھا۔ چند روز بعد وہ ایک بہت بڑی راس کے پاس سے گزُرا۔ جس کا نام اس نے "راسِ طوفانی" رکھا۔ کیونکہ وہاں بہت طوفان آیا کرتے تھے۔ اس وقت اس کا جہاز تو شمال کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن ساحل اس کے دائیں طرف تھا۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ افریقہ کے آخری سرے کے اُوپر سے گھوم کر واپس جا رہا ہے ÷

یہاں ڈیاز نے لنگر ڈال دیا۔ ساحل پر اُتر کر ایک مینار نصب کیا۔ اور

شاہِ پرتگال کے نام پر اس جدید زمین کی ملکیت کا دعویدار ہُوا+ جب ڈیاز کامیابی کے نشے میں چُور ہو کر پرتگال واپس پہنچا۔ تو دربار میں اس کی بڑی آؤ بھگت ہُوئی۔ افریقہ کے آخری جنوبی سرے کا نام "راس امید" رکھا گیا۔ اور یہ نام اب تک بدستور قائم ہے +

خیال تو یہ تھا۔ کہ اس نئی دریافت سے لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ جائینگے۔ اور دوسرے جہازران بھی ڈیاز کی طرح نکل کھڑے ہونگے۔ لیکن خُدا جانے کیا وجہ ہُوئی۔ کہ تقریباً دس سال تک کوئی جہازران روانہ نہ ہُوا+ آخر ۷۔ جولائی ۱۴۹۷ء کو ایک اور جماعت واسکو ڈی گاما کی سرکردگی میں ٹیگس سے روانہ ہُوئی۔ تاکہ پُرانے رستے پر چل کر کیپ پہنچنے کی کوشش کرے۔ اس جماعت کے تین جہاز تھے۔ لیکن روانہ ہونے سے کچھ مدت بعد ہی ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ اور صرف جزائر ورڈ کی راس پر اکٹھے ہو سکے+ اس کے بعد چار مہینے تک ملّاح طوفانوں کا مقابلہ کرتے اور سمندر کی لہروں کو چیرتے ہُوئے سینٹ ہلینا پہنچے۔ اگرچہ ضروریات کے ذخیرے تمام ختم ہو چکے تھے۔ لیکن سینٹ ہلینا سے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کیونکہ اس جزیرے کے باشندے انہیں مُنہ لگانے کے روادار نہ ہُوئے +

طوفان بہت زوروں پر تھا۔ دو دن کی متواتر کوشش کے بعد آخر واسکو ڈی گاما اور اس کے آدمی "راس امید" پر پہنچ گئے۔ ملّاحوں نے جب سمندر کا غیر معمولی جوش و خروش دیکھا۔ تو ڈر گئے۔ اور گاما سے التجائیں کرنے

لگے۔ کہ خدا کے لئے واپس چلو۔ ورنہ ہم سب یہیں مر کھپ جائینگے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا"۔ واسکوڈی گاما نے انکار کر دیا۔ ملّاحوں نے بغاوت کا ارادہ کر لیا۔ اور یہ قرار دیا۔ کہ یا تو واسکوڈی گاما کو واپس چلنے پر مجبور کیا جائے یا اس کی گردن اُڑا دی جائے۔

چند ملّاح وفادار بھی تھے۔ اُنہوں نے گاما کو اس سازش کی اطلاع دیدی۔ گاما نے سوچا۔ کہ اب نرمی کام نہ دیگی۔ کوئی سختی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے بھی سازش کی۔ باغی ملّاحوں سے کہہ دیا۔ کہ تم ایک ایک کر کے میرے کمرے میں آؤ۔ مَیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد جو باغی ملّاح کمرے میں گھستا تھا، فوراً زنجیروں میں باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح سب سرکش ملّاح گرفتار ہو گئے۔

اس کے بعد اگرچہ گاما کے پاس جہاز چلانے کے لئے مُٹھی بھر آدمیوں کی جمعیت باقی رہ گئی تھی۔ لیکن وہ بہادر برابر اپنے ارادے پر قائم رہا۔ اور چند بہادر ملّاحوں نے موت کے خوف سے بالکل بے پروا ہو کر اپنا فرض پُورا کیا۔ آخر "راس امید" کا طوفانی حصّہ ختم ہُوا۔ جہاز صاف اور پُر سکون سمندر میں چلنے لگا۔ اس وقت گاما نے اپنے قیدی ملّاحوں کو رہا کر دیا۔ جنہیں گاما کی کامیابی اور اپنی غدّاری پر بہت ہی شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

کرسمس کے دن ڈی گاما ایک خاص مقام پر اُترا۔ وہاں ایک جہاز چھوڑ دیا گیا۔ کیونکہ وہ سفر کے قابل نہ رہا تھا۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر چلے۔ اور ۱۰ مارچ

کو موزنبیق پُہنچ گئے + یہاں گاما کو پھر ایک مصیبت پیش آئی - موزنبیق اس وقت مُوروں (مراکشی عربوں) کے قبضے میں تھا - جو انڈیزا اور بحیرہ احمر سے تجارت کیا کرتے تھے - اور یورپین لوگوں کی مداخلت کو ایک آنکھ دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے + جب اُنہوں نے دیکھا کہ ان کی تجارت ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے - تو اُنہوں نے ان پرتگالی جہازرانوں کو ہلاک یا گرفتار کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - لیکن جہازرانوں نے بھی ان کی ایک نہیں چلنے دی - بہرحال وہ جہاں بھی اُترنے کی کوشش کرتے تھے - مُور ان کی گردن ناپنے کو تیار ہو جاتے تھے + آخر وہ میلنڈا پُہنچ گئے - جہاں نہایت عزّت سے ان کا استقبال کیا گیا - اور ضروری اشیاء کے ذخیرے بھی مہیّا کئے گئے +

گاما کو ہر وقت یہی فکر رہتی تھی - کہ اپنے سفر سے کوئی تجارتی فوائد بھی اُٹھائے - جب اُس نے دیکھا کہ میلنڈا میں بہت سے بڑے بڑے جہاز کھڑے ہیں - جن کے اندر ہندوستان کی بہترین دولت بھری پڑی ہے - تو اس کے دل میں خیال آیا - کہ پرتگال کی بہتری کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے - چنانچہ جونہی موسمی ہواؤں نے مہلت دی - گاما نے ایک ماہر دیسی جہازران کو ملازم رکھ کر بحرِ ہند کا رُخ کیا + آخر ۲۰ - مئی ۱۴۹۸ء کو اس کے دو جہاز کالی کٹ پُہنچ گئے - یہ پہلے یورپین جہاز تھے - جو خالص بحری رستے سے ہندوستان کے ساحل پر پُہنچ گئے +

یہ حقیقت میں بہت بڑا کارنامہ تھا - کیونکہ اس سے یُورپ کے لئے تجارت کا ایسا وسیع میدان نکل آیا - جس کا خواب و خیال بھی نہ تھا - یہ ظاہر ہے - کہ

برّی رستوں میں ہزار قسم کے خطرات ہیں۔ اور تجارت کے لئے بحری رستہ ہی موزوں ہُوا کرتا ہے۔ اب گویا ایشیا کی دولت پرتگیزوں کے ہاتھ میں تھی۔ کیونکہ اس سے پیشتر پرتگیز ناخداؤں نے کوئی ایسا سفر نہ کیا تھا۔ جس میں اتنے زیادہ تجارتی فوائد پوشیدہ ہوں +

سیلون اور ملاکا بلکہ سارے ساحل مالابار کی تجارت کا مرکز کالی کٹ تھا۔ اس کی تجارت بھی مُوروں کے ہاتھ میں تھی۔ اور موزنبیق کی طرح یہاں کے مُور بھی یورپینوں کی مداخلت سے سخت گھبراتے تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہُوا۔ کہ گاما نے کالی کٹ کے حکمران زیمورن سے تجارت کی اجازت حاصل کر لی ہے۔ تو انہوں نے گاما کی تباہی کے ڈھنگ سوچنے شروع کر دئے۔ اور زیمورن کو یہ بتایا۔ کہ یہ گوری قوم کے لوگ یہاں صدہا کی تعداد میں آجائینگے۔ اور مُلک پر قبضہ کر لینگے۔ چنانچہ سازش کی گئی۔ کہ گاما قید کر لیا جائے۔ اور اس کے جہاز ضبط کر لئے جائیں۔ جب گاما بیش بہا تحائف کو جہازوں پر لادے ہُوئے اُترا۔ تو کالی کٹ والوں نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وُہ صاف بچ کر نکل گیا اور جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ لیکن قسم کھا کر یہ کہتا گیا۔ کہ ایک دفعہ بدلہ لینے ضرور آؤنگا +

واسکوڈی گاما کالی کٹ سے طیش کھا کے جو چلا۔ تو ایک اور راجہ کے پاس پہنچا۔ جو کنانور کا حکمران تھا۔ راجہ نے اس پر بہت مہربانی کی۔ گاما نے بیش قیمت مصالحہ جات سے اپنے جہاز بھر لئے۔ اور واپس روانہ ہو کر ستمبر ۱۴۹۹ء میں لزبن

پہنچ گیا۔ جب پرتگیزوں کو معلوم ہوا۔ کہ گاما کے سفر سے پرتگال کی تجارت کے لئے ایک بہت وسیع میدان نکل آیا ہے۔ تو ساری قوم مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی تھی۔ اور واسکوڈی گاما عزّت اور شہرت کا آفتاب بن کر چمک رہا تھا۔

کچھ مدّت بعد واسکوڈی گاما انتقام لینے کے لئے دوبارہ کالی کٹ پہنچا۔ اور کنانور کے راجہ سے مل کر زمورن کے تجارتی جہازوں کو تباہ و برباد کر گیا۔ اس کے بعد وہ کوچین کی طرف گیا۔ جہاں اس نے ایک کارخانہ قائم کیا۔ یہ ایشیا میں یورپ والوں کا پہلا کارخانہ تھا۔ اور اسے پرتگیزوں کی مشرقی حکومت کا بنیادی پتھر سمجھنا چاہیئے۔

نئی دُنیا

New World

جس زمانے میں پرتگال کے جہازران "راس امید" کے اُوپر سے گھُوم کر ہندوستان کا بحری رستہ دریافت کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ اٹلی کے شہرِ جنیوا کا ایک شخص کرسٹافر کولمبس یہ سوچ رہا تھا۔ کہ مغرب کی طرف سفر کرنے سے بھی ہندوستان پُہنچ جانا ممکن ہے + اس نے اپنے مُلک کے امیر آدمیوں سے کہا۔ کہ مجھے ایک جہاز مہیّا کر دو۔ تو مَیں نیا رستہ دریافت کرنے کو روانہ ہو جاؤں۔ لیکن ایک غریب مَلّاح کی بات کون سُنتا۔ لوگوں نے اس کو ہنسی میں ٹال دیا + اپنے وطن سے مایوس ہو کر کولمبس پرتگال پُہنچا۔ اور وہاں کے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر امداد کی درخواست کی۔ شاہ پرتگال اس زمانے میں اپنے بہت سے ملّاحوں کو ساحل افریقہ کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کے لئے مدد دے رہا تھا۔ اس نے کُلمبس سے چال کھیلی۔ اس کے نقشے لیکر اپنے بعض ملاحوں کو دے دیئے۔ اور انہیں مغرب کی طرف روانہ کر دیا۔ لیکن وہ سب کے سب بُزدل اور کمزور نکلے۔ اور چند روز بعد سمندر کے طوفانوں سے تنگ آکر گھر کو لوٹ آئے +

جب کولمبس نے سُنا۔ کہ شاہ پرتگال نے اس کو چکمہ دینے کی کوشش کی ہے۔ تو وہ بہت ہی بیزار ہُوا۔ اور وہاں سے چل دیا + اس کے بعد اُس نے

اپنے بھائی بارتھولومیو کو تو انگلستان کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ اور خود اپنے چھوٹے سے بچے کو ساتھ لیکر ہسپانیہ کو چل دیا۔ اس وقت شاہ پرتگال نے اسے پھر بُلا بھیجا۔ لیکن کولمبس اُس مکار اور فریبی بادشاہ سے بہت ناراض تھا۔ وہ پرتگال جاتے پر رضامند نہ ہُوا + ہسپانیہ پُہنچ کر کولمبس وہاں کے ایک نواب سے ملا۔ نواب نے خود تو اُس کی کوئی مدد نہ کی۔ البتہ اسے شاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا کے حضور میں بھیج دیا۔ اِس وقت ہسپانیہ اور مُوروں کے درمیان جنگ برپا تھی۔ چنانچہ کولمبس کی تجویز روز بروز ملتوی ہی ہوتی گئی۔ آخر وہ شکستہ دِل ہو کر وہاں سے فرانس کو چل دِیا۔ وُہ اِن دِنوں اِسقدر غریب تھا۔ کہ رستے میں ایک خانقاہ میں فروکش ہُوا۔ اور بھیک مانگ کر اپنے بچے کا پیٹ پالتا رہا + خانقاہ کے فقیروں نے اس پر رحم کھایا اور اس کی باتیں سُن کر بہت خوش ہُوئے۔ ان فُقرا میں سے ایک ملکہ ہسپانیہ کا دوست نکل آیا۔ اس نے فوراً ملکہ کے نام ایک خط لکھا۔ جِس میں بتایا۔ کہ کولمبس کی تجویز نہایت اہم ہے۔ اور آپ اس کی ضرور مدد کیجیے۔ یہ خط دیکر فقیر نے کولمبس کو پھر ہسپانیہ بھیج دیا +

جب کولمبس دربار میں پُہنچا۔ اور اپنے آنے کی اطلاع ملکہ کو پُہنچائی، تو ملکہ کھیل تماشوں میں مصروف تھی۔ اور نئی دُنیا دریافت کرنے والا ناخدا باہر کھڑا ہُوا انتظار کر رہا تھا + آخر اُس نے مایوس ہو کر فرانس کا رُخ کیا۔ اس وقت ملکہ بہت پشیمانی ہُوئی۔ چنانچہ اس نے پھر کولمبس کو بُلا بھیجا۔ اور اس کے لئے

تین جہازوں کی تیاری کا حکم دیا۔ ۱۷۔ اپریل ۱۴۹۲ء کو شاہ ہسپانیہ اور جنیوا کے غریب ملاح کے درمیان ایک اجارہ نامے پر دستخط ہو گئے ✣

روانگی کے لئے پالوس کی بندرگاہ تجویز کی گئی۔ تین جہاز سینٹا میریا۔ پنٹا اور نینا مہیا کئے گئے۔ چونکہ لوگ اس مہم کو عام طور پر حماقت سمجھتے تھے۔ اس لئے بہت کم ملاح رضامندی کے ساتھ بھرتی ہوئے۔ اور باقی جبراً ملازم رکھ لیے گئے ✣

۳۔ اگست ۱۴۹۲ء کو کولمبس "سینٹا میریا" جہاز کے تختے پر کھڑا تھا۔ اور پادری لوگ نہایت عجز و الحاح سے اس کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کولمبس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ تینوں جہازوں میں صرف نوّے آدمی تھے۔ جب انہوں نے خدا کا نام لے کر لنگر اٹھایا۔ اور سمندر کی سطح پر روانہ ہوئے۔ تو انہیں کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ البتہ ان کے سردار کو پورا یقین تھا۔ کہ اس کے جہاز ہندوستان کے ساحل کو ضرور بوسہ دینگے ✣

ملاحوں کو ہر دم یہی خیال تھا۔ کہ رستے میں بڑے بڑے خطرے پیش آئیں گے۔ سخت تکلیفیں ہونگی۔ اور نتیجہ مایوسی ہو گا۔ جب ایک ہفتہ کے بعد وہ کناریز میں مقیم ہوئے۔ اور اپنے ان جہازوں کو از سرِ نو درست کرنے لگے۔ جو بحری سفر کے قابل نہ رہے تھے۔ تو ملاحوں کا اضطراب بہت ہی زیادہ ہو گیا۔ لہٰذا تین ہفتے کے بعد جہاز پھر روانہ ہوئے۔ کولمبس اس تاخیر

پر بہت جز بز ہو رہا تھا۔ لیکن ملّاح سب کے سب غدر کر دینے پر آمادہ ہو رہے تھے +

آخر کولمبس نے اپنے ملّاحوں کو جمع کر کے ان کو آیندہ زمانے کی روشن امیدوں کا تصوّر دلایا۔ اور کہا "اگر تم نے ایشیا کا بحری رستہ دریافت کر لیا۔ تو تم امیر کبیر بن جاؤ گے۔ اور تمام مُلک تمہاری پرستش کریگا"۔ ملاح اس کی خوشگوار باتیں سُن کر متاثر ہو گئے۔ اور چند روز تک بے چون و چرا کام کرتے رہے۔ جب انہیں کناریز سے رخصت ہُوئے کئی دن گزر چکے تھے۔ تو کسی جہاز کا ایک مستول سمندر کی لہروں پر تھپیڑے کھاتا ہُوا نظر آیا۔ یہ دیکھ کر ملاحوں کی آنکھوں میں موت اور تباہی کی تصویر پھر گئی۔ اور کولمبس نے انتہائی جُرأت اور بے نظیر فصاحت سے کام لے کر اُن کے اندیشوں کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں اسے بالکل معمولی سی کامیابی ہُوئی +

۱۳۔ستمبر کو کولمبس نے اپنی کمپاس (قطب نما) میں ایک عجیب تغیّر دیکھا۔ قطب نما کی سُوئی ایک طرف کو ہٹی ہُوئی نظر آتی تھی۔ چونکہ ناخدا کے لئے پُرانے زمانے میں بھی قطب نما بڑی نعمت تھی۔ اور آج بھی سمندر کی بے نشان وسعت میں سب سے زیادہ کام یہی چیز دیتی ہے۔ اس لئے خود کولمبس بھی اس کی سُوئی کا فرق دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔ جوں جوں دِن گزرتے گئے۔ یہ فرق زیادہ ہوتا چلا گیا۔ آخر ۱۳۔ستمبر کو شام کے وقت سُوئی کا رُخ قطب شمالی کی طرف ہونے کے بجائے پانچ چھ درجے شمال و مغرب کی طرف ہو گیا

اور صبح تک اور بھی فرق پڑ گیا۔ کولمبس نے بہت کوشش کی۔ کہ اس خبر کو اپنے ملّاحوں سے چھپائے رکھے۔ لیکن یہ ناممکن تھا۔ کیونکہ بڑے ناخداؤں نے یہ خبر سب میں اُڑا رکھی تھی۔ ملّاح جاہل تو ہوتے ہی ہیں۔ اپنی جہالت اور توہم پرستی کی وجہ سے یہ سمجھنے لگے۔ کہ جن نئے سمندروں میں انہیں سفر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ ان میں قدرت کے قوانین تک بدلے ہُوئے ہیں۔ ہر شخص پر خوف طاری ہو گیا۔ اور اضطراب کی وہ آگ جو مدّت سے دبی ہُوئی اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ایک دم بھڑک اُٹھی۔ لیکن کولمبس نے نہایت دلیری سے باغی ملاحوں کو یقین دلایا۔ کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اصل میں قطب تو جہاں تھا، وہیں ہے۔ صرف ہمارا رُخ کسی قدر بدل گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں سُوئی میں انحراف نظر آ رہا ہے۔ اگرچہ اس انحراف کی حقیقی وجہ خود اسے بھی معلوم نہ تھی۔ لیکن اس نے ملاحوں کو اطمینان دلانے کے لئے یہ وجہ بیان کر دی *

تھوڑی دیر کے لئے بغاوت کی شورش تھم گئی۔ اور ایک واقعہ ایسا ہو گیا کہ اگر وہ نہ ہوتا۔ تو بغاوت بہت جلد از سرِ نو اُٹھ کھڑی ہوتی۔ قطب نما کی سوئی کے انحراف سے دو دِن بعد ملاحوں نے کیا دیکھا۔ کہ ایک بگلا اور ایک آبی ممولا جہاز کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ملّاحوں کی جان میں جان آ گئی۔ اور وہ یقین کرنے لگے۔ کہ اب زمین ضرور نزدیک ہے۔ اور اُن کے سردار کا دعوےٰ سچّا تھا۔ ان کا رویّہ بالکل بدل گیا + کہاں تو وہ بغاوت پر آمادہ تھے۔

اور کہاں اب نہایت محنت اور جفاکشی سے کام کرنے لگے۔ اور نئی زمین تک پہنچنے کے شوق میں بہت سرگرم رہنے لگے۔ اگرچہ زمین پھر کئی دن تک نظر نہ آئی۔ لیکن ملاحوں کا حوصلہ پھر بھی پست نہ ہوا۔ کیونکہ ایک دفعہ تو انہوں نے بہت سی وہ کائی بہتی ہوئی دیکھی۔ جو دریاؤں کے کناروں پر اگا کرتی ہے اور پھر اور بہت سے ایسے پرندے بھی دیکھے۔ جن کے متعلق انہیں معلوم تھا۔ کہ وہ رات کو سمندر پر بسیرا نہیں کیا کرتے +

کولمبس بھی اس خیال میں مست ہو رہا تھا۔ کہ کامیابی بالکل قریب ہے۔ لیکن جب کئی دنوں تک انتظار کرنے کے باوجود زمین دکھائی نہ دی۔ تو وہ بھی سخت مایوس ہوا۔ اور ملاحوں نے بھی کھلم کھلا بغاوت کر دی +

جہاز بہتے ہوتے خاشاک کے ایک طومار میں پھنسے ہوئے تھے۔ ہوا بھی ساکن ہو گئی تھی۔ اِس لئے جہازوں کی رفتار بہت ہی کم رہ گئی۔ اور ملّاحوں نے آگے بڑھنے سے قطعاً انکار کر دِیا۔ ان لوگوں نے مِل جل کر یہ تجویز کر لی۔ کہ اگر کولمبس جہازوں کا رُخ پھیر کر وطن کو واپس جانے پر آمادہ نہ ہو۔ تو اُسے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دِیا جائے +

جہاز سمندر کی کوہ پیکر لہروں پر جھوم رہے تھے۔ ہوا ساکن تھی۔ اور بادبان مستولوں کے ساتھ بے حرکت لٹک رہے تھے۔ کولمبس نہایت دلیری اور جراَت کے ساتھ ملّاحوں کے سامنے آیا۔ جن کی آنکھیں نفرت و حقارت سے چمک رہی تھیں۔ اور جِن کے ہاتھ کولمبس کو مارنے کے لئے بیتاب ہو رہے

تھے۔ وہ سب مل کر نفرت کے نعرے لگا رہے تھے۔ آخر جب وہ نعرے لگاتے لگاتے تھک کر خاموش ہو گئے۔ تو کولمبس نے سینہ تان کر اُن سے کہا۔ کہ "مَیں جہازوں کو آگے لے جانا چاہتا ہوں۔" اس نے ملّاحوں کو دھمکیاں دیں۔ اُن سے بحث کی۔ اُن کو سمجھایا بجھایا۔ غرض اپنا کام نکالنے کے لئے ساری ہنرمندیوں سے کام لیا۔ لیکن ملّاح برابر اپنی بغاوت پر قائم رہے۔ البتہ ان کے چہروں پر خوف و دہشت کے آثار ضرور پیدا ہو گئے تھے۔ کولمبس نے اُن سے کہا۔ کہ "کامیابی بالکل نزدیک ہے۔ لیکن تم عین موقع پر آکر میرا ساتھ چھوڑنا اور مجھے ناکام رکھنا چاہتے ہو۔" یہ کہکر اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس پر اس کا دل کسی طرح رضامند نہ تھا۔ اس نے باغیوں سے سمجھوتا کر لیا۔ اور کہا۔ کہ تم تین دن اور میرے کہنے پر آگے چلو۔ اگر اس دوران میں زمین دکھائی نہ دی۔ تو پھر مَیں تمہاری بات مان لونگا۔ اور وطن کو لوٹ جاؤنگا۔

تھوڑی دیر بعد کچھ اَور خوشی اور امید کے آثار دکھائی دِئے۔ دریا کی کچھ کائی۔ ایک سبز مچھلی جو عام طور پر چٹانوں کے نیچے چھپی رہا کرتی ہے۔ ایک درخت کی شاخ جس پر پھل لگے ہُوئے تھے۔ ایک سرکنڈا۔ ایک چھوٹا سا تختہ اور ایک دستی عصا یکے بعد دیگرے سمندر کی لہروں پر بہتے ہُوئے دِکھائی دیئے۔

۱۱۔ اکتوبر کی رات کو ملّاحوں میں سے کوئی نہ سویا۔ اور جہاز صبح تک برابر چلتے رہے۔ کولمبس خود بھی ساری رات جاگتا رہا۔ اور کوئی ایک بجے اُس

نے دُور افق میں ایک ایسی چیز دیکھی۔ جس پر اُسے پُورا یقین تھا۔ کہ روشنی ہے۔
اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی یہ روشنی دکھائی۔ لیکن اُس نے کولمبس کے
خیال کی تردید کی۔ بہرحال کولمبس کو تو پُورا پُورا یقین تھا۔ کہ زمین سامنے نظر
آرہی ہے۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد پنٹا جہاز سے توپ کی شلک سُنائی دی
جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ دوسرے ملّاحوں کو زمین نظر آگئی ہے۔ لیکن اس وقت
بھی بعض لوگوں کو یقین نہ آتا تھا۔ اور وہ کہتے تھے۔ کہ بھلا یہاں زمین کہاں۔
یہ سب ان لوگوں کا وہم ہے ۔

کولمبس نہایت بے چینی سے جہاز کے تختے پر اِدھر اُدھر ٹہل کر نمودِ سحر کا
انتظار کر رہا تھا۔ لیکن رات کی وہ چند ساعتیں قیامت ہو گئی تھیں۔ کہ گزرنے
ہی میں نہ آتی تھیں۔ آخر جب سپیدۂ سحر نمودار ہُوا۔ تو کولمبس نے دُور سمندر
پر ایک دُھندلا سا خط دیکھا۔ جو اصل میں ایک جزیرے کا کنارہ تھا ۔

آخر مشرق سے آفتاب اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ بلند ہُوا۔ اور
وہ زمین جس کے انتظار میں کولمبس اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں پتھرا گئی
تھیں۔ ایک نہایت خوشنما اور دلاویز جزیرے کی صورت میں سامنے نظر آرہی
تھی۔ وہ سردار جس پر اس کے ملّاحوں نے اعتماد نہ کیا تھا۔ آخر کار انہیں
گلزارِ آرزو میں لیئے چلا جا رہا تھا ۔

ملّاحوں نے فی الفور کشتیاں اُتاریں۔ کولمبس دربار کے بعض عہدہ داروں
کے ساتھ جو جہازوں میں موجود تھے۔ کشتیوں میں سوار ہو کر زمین پر اُترا۔ تاکہ

ملکہ ہسپانیہ کے نام سے اس پر قبضہ کرے۔ اور ہسپانیہ کا جھنڈا گاڑ دے۔ جزیرے کے لوگ ادھر اُدھر پھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اور کولمبس سمجھ رہا تھا۔ کہ تمام امیدیں پوری ہو گئیں۔ اور آخر اس کے خوابوں کی تعبیر نکل ہی آئی ؛

لیکن کاش اسے اصلیت معلوم ہوتی۔ اور کاش وہ ملاح جو اپنی شورش اور بغاوت کے لئے اس سے معافیاں مانگ رہے تھے۔ اصلی معاملے سے واقف ہوتے۔ یہ ہندوستان کا ساحل نہ تھا۔ بلکہ ایک ایسے وسیع برِّ اعظم کا چھوٹا سا قطعہ تھا۔ جس کا کولمبس کے ہمراہیوں کو کبھی خیال بھی نہ آیا تھا ؛

کولمبس نے ہسپانیہ کے سرکاری نائب کی وردی میں ملبوس ہو کر ساحل کی ریت میں ہسپانیہ کا شاہی جھنڈا گاڑ دیا۔ اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک کر فرشِ خاک کو بوسہ دیا۔ اور پھر اُٹھ کر اعلان کیا۔ کہ یہ سرزمین ہسپانوی بادشاہوں کی قلمرو میں شامل سمجھی جائیگی۔ اس نے اس جزیرے کا نام سان سالویڈور رکھا۔ جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اور بہاما کے اس مجمع الجزائر میں سے ہے۔ جو خلیج مکسیکو کے پاس واقع ہے ؛

ہسپانوی تو اس سرزمین پر قبضہ کرنے کی رسم بجالا رہے تھے۔ اور جزیرے کے اصلی باشندے کثیر تعداد میں ان کے پاس جمع ہو کر انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ یہ سفید رنگ اجنبی کون ہیں۔ اور اتنی

بڑی بڑی کشتیوں میں جن میں بہت لمبے چوڑے پَر (بادبان) لگے ہُوئے ہیں۔ ہیں۔سوار ہو کر کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو وہ جہازوں کو دیکھتے ہی ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہُوئے تھے۔ لیکن جب اُنہوں نے دیکھا۔کہ اہلِ جہاز اُن کا پیچھا نہیں کرنا چاہتے۔ تو وہ پھر ساحل پر جمع ہو گئے +

جب اس جزیرے کے قبضے کی رسم ادا ہو چکی۔ تو کولمبس نے اصلی باشندوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ چونکہ وہ اس سرزمین کو ہندوستان سمجھتا تھا۔اِس لئے اس نے ان باشندوں کو" انڈین" کہنا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے۔کہ امریکہ کے اصلی باشندے اب تک " انڈین" ہی کہلاتے ہیں۔اور اس کے بعد کولمبس نے جو اور بہت سے جزیرے دریافت کئے۔ انہیں بھی" ویسٹ انڈیز" (جزائر غرب الہند) کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ امریکہ کے جزیرے ہیں۔اور ہندوستان سے ان کا کوئی تعلق نہیں +

کولمبس نے جزیرے کے اصلی باشندوں سے بہت جلد دوستی پیدا کر لی۔ کیونکہ وہ تمام لوگ سونے کے زیور پہنے ہُوئے تھے۔اور کولمبس اور اس کے ساتھیوں کو یہ دریافت کرنا تھا۔کہ اتنا سونا اس مُلک میں کہاں سے آتا ہے۔ اُنہوں نے اصلی باشندوں کو بہت سی انگوٹھیاں۔ چھلّے۔ بوتام اور اسی قسم کے اور بہت سے تحفے دیئے۔اور اُن سے سونے کی بابت دریافت کیا۔ باشندوں نے ملّاحوں کو اشاروں سے بتایا۔کہ سونا اس مقام سے جنوب کی طرف ملتا ہے۔ کولمبس نے اہل جزیرہ میں سے سات آدمیوں

کو بطور رہنما اپنے ساتھ لیا۔ اور پھر تینوں جہاز سان سالویڈور سے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے جزیرے واقع تھے۔ ان کا بھی معائنہ کرتے چلے۔ لیکن رہنماؤں نے ان کو جنوب ہی کی طرف بڑھتے چلے جانے کی ہدایت کی۔ اور کہا۔ کہ جنوب کے ایک ملک میں ایک بہت بڑا بادشاہ حکومت کرتا ہے۔ اب ایک تو کولمبس اس ملک کو ہندوستان سمجھتا تھا۔ دوسرے اس نے مشہور سیاح چین مارکوپولو کا سفرنامہ بھی پڑھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہ سوچتا تھا۔ کہ یہ جزیرے وہی ہونگے۔ جن کے متعلق اس سیاح نے لکھا ہے۔ کہ چین سے پرے واقع ہیں۔ اور بادشاہ وہی خان اعظم ہوگا۔ جس کا حال مارکوپولو نے لکھا ہے۔ اور جس کے دربار میں وہ سالہا سال مقیم رہا تھا۔

ہر چیز کولمبس کے اس خیال کی تائید کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ جب اصلی باشندوں نے ایک بہت بڑے جزیرے یعنی کیوبا کا ذکر کیا۔ تو کولمبس سمجھا۔ کہ یہ چپانگو یعنی جاپان ہوگا۔ چنانچہ وہ اسی کے خیال میں بڑھتا چلا گیا۔ آخر وہ اکتوبر کے اواخر میں اس جزیرے پر پہنچ گیا۔ اور شاہ ہسپانیہ کے نام پر اس کو بھی اپنے قبضے میں لے آیا۔ کیوبا کے رہنے والے پہلے تو ان نووارد اجنبیوں سے بہت ڈرتے رہے۔ لیکن ہسپانوی ملاحوں نے بہت جلد اُن کے اندیشے دُور کر دیئے۔ اِس کے بعد کولمبس نے جزیرے کے مختلف مقامات کا جائزہ لیا۔ بلکہ خانِ اعظم کی ملاقات کے لئے اپنے سفیر بھی بھیجے۔

لیکن نہ وہاں کہیں سونے کا نام و نشان ملا۔ نہ خانِ اعظم ہی کا سراغ نظر آیا۔ آخر کولمبس نے مایوس ہو کر یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ اور کسی اور طرف جانے کا تہیّہ کر لیا۔

عین اس موقع پر "پنٹا" جہاز کا کپتان "مارٹن الانزو پنزون" کولمبس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ پہلے تو کولمبس نے یہ خیال کیا۔ کہ غالباً کپتان کسی نئی دریافت کے شوق میں آس پاس کے کسی جزیرے کی طرف چل دیا ہوگا۔ لیکن چند روز انتظار کے باوجود کپتان واپس نہ آیا۔ آخر کولمبس نے اس کی طرف سے مایوس ہو کر باقی دو جہازوں کے لنگر اُٹھا دیئے۔ اور ۶۔ دسمبر کو ایک بہت بڑے اور خوشنما جزیرے میں پُہنچ گیا۔ اور چند روز تک دونوں جہاز اس جزیرے کے ساحلوں پر چکّر لگاتے رہے۔ اور چونکہ اسے دیکھ کر کولمبس کو ہسپانیہ یاد آگیا تھا۔ اس لئے اس نے اس جزیرے کا نام "ہسپانیولا" (یعنی نیا ہسپانیہ) رکھا۔

یہاں اصلی باشندے پھر دوست بن گئے۔ اور انہی سے کولمبس کو معلوم ہُوا۔ کہ جزیرے کے اندرونی حصّے میں بہت سا سونا ہے۔ یہ سُنکر اس کے اور اس کے ہمراہیوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ لیکن ایک بہت بڑی مصیبت بھی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ معاملہ یوں ہُوا۔ کہ ایک رات جب "سینٹا میریا" اور "نینا" دونوں جہاز لنگر اُٹھائے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ "سینٹا میریا" ٹوٹ کر گرا۔ یہ کولمبس اور اس کے ساتھیوں کی خوش قسمتی تھی کہ بچ گئے۔ ورنہ مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس جہاز کی بہت سی چیزیں اور توپیں پانی کی تہ سے نکال لی گئیں۔ اور کولمبس نے

جزیرے پر ایک قلعہ " لاناویداد" تعمیر کر کے وہ توپیں اس میں نصب کر دیں۔ کیونکہ اس نے یہ پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ کہ اس خوبصورت جزیرے میں ایک نوآبادی ضرور قائم کر کے جاؤنگا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں میں سے چالیس آدمی چن کر اس قلعہ میں متعین کر دیئے۔ اور جب تمام انتظامات مکمل ہو چکے۔ تو باقی آدمیوں کو ساتھ لے کر نینا میں سوار ہُوا۔ اور ہسپانیہ کا رُخ کر کے لنگر اٹھایا +

راستے میں بہت سے طوفان آئے۔ ایزورس میں کچھ پرتگالی آباد کار رہتے تھے۔ اُن سے کچھ جھگڑے بھی پیش آئے۔ لیکن ان سب پر غالب آکر کولمبس یورپ پہنچ گیا۔ موسم بہت خراب تھا۔ اس لئے پہلے پہل کولمبس کو مجبور ہو کر ٹیگس میں قیام کرنا پڑا۔ گویا جن پرتگیزوں نے سب سے پہلے کولمبس کے عظیم الشان ارادے کی ہنسی اڑائی تھی۔ اُنہی کو سب سے پہلے اس کی کامیابی کا حال معلوم ہُوا +

شاہ پرتگال نے کولمبس کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ تاکہ اس کی ساری داستان اسی کی زبانی سُن لے۔ اس دوران میں دربار کے بعض بدنیت آدمیوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا۔ کہ کولمبس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور پھر اس کے نقشوں پر قبضہ کر کے اپنے ملاحوں کی ایک جماعت اسی رستے پر بھیج دینی چاہیئے۔ تاکہ جا کر نئی سرزمینوں پر قبضہ کر لے۔ لیکن شاہ پرتگال نے ان لوگوں کی ایک نہ سُنی۔ اور بہادر کولمبس کو ہسپانیہ جانے کی اجازت دے دی +

جب کولمبس روانہ ہُوا تھا۔ تو کسی کو امید نہ تھی۔ کہ وہ کبھی واپس بھی

آئیگا۔ لیکن تاریخ روانگی سے آٹھ مہینے بعد ۱۳ مارچ ۱۴۹۳ء کو وہ بامراد شاہ کام ہسپانیہ پہنچ گیا۔ پیلوس کی بندرگاہ پر تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ جن کے خوشی کے نعروں نے گنبدِ فلک میں گونج پیدا کر رکھی تھی۔ جب "نینا" جہاز موسم کے اثرات سے تباہ حال۔ پھٹے ہوئے بادبان لٹکائے۔ مستول پر اپنا پرچم اُڑاتا ہوُا بندرگاہ میں لنگرانداز ہوُا۔ اور کولمبس اور اس کے ساتھی ساحل پر اُترے۔ تو تماشائیوں نے زور شور کے نعرے لگائے۔ اور ہاتھوں میں جھنڈے اُٹھاتے ہوئے تنگ بازاروں میں سے اُن کا ایک عظیم الشان جلوس نکالا۔ اور انہیں گرجے میں لے گئے۔ جہاں ناخداؤں نے خداوند عالم کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا +

اس کے بعد کولمبس نے بارسلونا میں دربارِ شاہی کے حضور ایک عرضی بھیجی۔ اور جب اس کے جواب میں حکمِ پیشی صادر ہوُا۔ تو کولمبس بارسلونا پہنچا۔ دربارِ شاہی آراستہ تھا۔ بادشاہ اور ملکہ تخت پر جلوہ افروز تھے۔ ہسپانیہ کے اکابر اپنے اپنے درجے اور رُتبے پر بیٹھے تھے۔ کولمبس نے اپنے سفر کی حیرت انگیز داستان سُنائی۔ اور بادشاہ اور ملکہ کو یقین دلایا۔ کہ اس نئی دریافت سے ہسپانیہ کی دولت و عظمت میں بہت بڑا اضافہ ہو جائیگا+ وہ اُن جزائر کے بعض اصلی باشندوں کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ اور سونے کے زیور اور دوسرے تحائف بھی اس کے پاس موجود تھے۔ ان سب کو اس نے دربارِ شاہی میں اپنی کامیابی کے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ مہینوں تک ہسپانیہ کے

جوش و خروش کی کیفیت نمایاں رہی - اور وہ شخص جس کی طرف لوگ توجہ بھی نہ کیا کرتے تھے - بلکہ جسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - اہلِ ہسپانیہ کی نگاہوں میں دیوتا بنا ہُوا تھا +

اب کولمبس نے دوبارہ اپنے دریافت کیئے ہوئے جزیروں کی طرف جانے کا ارادہ کیا - چونکہ اس بات کا ثبوت مِل چکا تھا - کہ وہ محض خیالی پلاؤ پکانے والا آدمی نہیں - اور اس کے پاس اپنی دریافت اور کامیابی کے بیشمار ثبوت بھی موجود تھے - اس لئے اب ہر شخص اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا - تقریباً ہر طبقے کے آدمی اس کے رفیق سفر ہو گئے - کہاں تو اسے تین چھوٹے چھوٹے جہاز دِیئے گئے تھے - اور کہاں اب وہ سترہ جہازوں کے ایک بیڑے کا کماندار بنا ہُوا تھا - چونکہ ان جزیروں کو آباد کرنے کا فوری تہیّہ کیا جا چکا تھا - اس لئے بہت سے مرد - بہت سی عورتیں - بہت سے بچّے اور بے شمار بڈھے اور جوان اس کے ساتھ چل دِئے - تاکہ نئی سرزمینوں میں جا کر آباد ہو جائیں - ان کے علاوہ کولمبس نے بہت سے پالتو جانور - بہت سے درختوں - پودوں اور غلّوں کے بیج بھی اپنے ساتھ لے لئے - تاکہ نئے آبادکاروں کو کسی قسم کی دقّت نہ ہو +

یہ نیا بیڑا ۲۵ - ستمبر ۱۴۹۳ء کو ہسپانیہ سے روانہ ہُوا - اور کولمبس نے ساحل ہسپانیہ سے لنگر اُٹھانے کے لئے ایک نیا رستہ اختیار کیا - کیونکہ اِسے

امید تھی۔ کہ اہل جزیرہ نے جن نئے جزائر کا حال بتایا تھا۔ وہ جنوب کی طرف واقع ہیں۔ تقریباً دو ہفتے کے سفر کے بعد جزیروں کا ایک نیا مجموعہ دریافت ہوگیا۔ (یہ وہی جزیرے ہیں۔ جن کو آج کل "لیسر انٹلیز" کہتے ہیں۔ اور جو بحر اوقیانوس اور بحیرہ کریبین کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں) کولمبس ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے میں ہوتا ہُوا آخر ایک نئے جزیرے پر اُترا۔ جس کا نام اُس نے گواڈ لوپ رکھا۔ اہل جزیرہ نے جونہی ان جہازوں کو دیکھا۔ وہ ڈر کے مارے اُٹھ بھاگے۔ اور اتنے پریشان ہُوئے۔ کہ اپنے بچّوں کو گاؤں ہی میں چھوڑ گئے۔ کولمبس اور اس کے ساتھیوں نے ان بچّوں کو بہت سے تحفے اور کھلونے دیئے۔ اور اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔ کہ کسی نہ کسی طرح اُن بچّوں کے والدین کی وحشت دُور ہو۔ اور وہ واپس آجائیں لیکن ان پر کچھ ایسی دہشت سوار تھی۔ کہ وہ کسی ترغیب سے بھی قابو میں نہ آتے۔ اور نو واردوں کے پاس تک بھی نہ پھٹکے۔ آخر کولمبس اور اس کے ہمراہی پھر اپنے جہازوں میں سوار ہو کر چل دیئے۔ لیکن اپنے ساتھ ایک خاص قسم کا پھل لیتے گئے۔ جو اُنہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ خاص کر اننّاس تو انہیں اتنے پسند آئے۔ کہ وہ خوشی سے دیوانے ہُوئے جاتے تھے۔

کولمبس نے بہت سے جزیروں کا چکّر لگایا۔ اور سب پر ہسپانیہ کی طرف سے قبضہ کر لیا۔ بعض مقامات پر اصلی باشندوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بھی لے لیا۔ اِسی دوران میں بعض قبائل نے ہسپانویوں کے اس جبر

کے خلاف ہتھیار بھی اُٹھائے۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ بہت بہادری کے ساتھ لڑے ✦

آخر ۲۲۔ نومبر کو یہ بیڑا ہسپانیولا کے پاس لنگر انداز ہُوا۔ وہاں کولمبس نے ایک ایسا منظر دیکھا۔ جس سے اس کو بہت صدمہ ہُوا۔ آس پاس انسانوں کی نعشیں پڑی تھیں۔ اور ان میں ایک ہسپانوی گورا بھی مُردہ پڑا تھا ✦ سب لوگ جلد جلد" لاناویداد " کی طرف چل دیئے۔ دوسرے دن شام کو یہ بیڑا وہاں پُہنچ گیا۔ جہاں کولمبس نے تہذیب و تمدن کی پہلی نو آبادی بسائی تھی۔ جہازوں نے سلامی کی توپیں سر کیں۔ لیکن قلعہ سے ان کا کوئی جواب نہ مِلا ✦

دوسرے دن صبح کے وقت کولمبس ساحل پر اُترا۔ وہاں اسے وہی نظر آیا۔ جس کا دھڑکا لگا ہُوا تھا۔ وہ قلعہ اور وفادار اہل جزیرہ کا گاؤں دونوں جلا کر خاک کر دِئے گئے تھے۔ اور جا بجا پتھروں کے ڈھیر لگے ہُوئے تھے۔ جن کے نیچے ہسپانویوں کی نعشیں دبی پڑی تھیں ✦ اتنے میں درختوں کے جھنڈ میں سے بعض اہل جزیرہ ڈرتے ڈرتے باہر نکلے۔ جنھوں نے کولمبس کو بتایا۔ کہ پاس ہی ایک قبیلہ کا سردار رہتا تھا۔ جس نے نو آبادی پر حملہ کر کے یہ تباہی پھیلائی ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا۔ کہ اس مصیبت کی ذمہ داری زیادہ تر ہسپانویوں ہی کی حرکتوں پر عاید ہوتی ہے ✦

اگرچہ کولمبس اپنے اس کارنامے کو صفحات تاریخ کے لئے مایۂ ناز جانتا تھا۔ اور اس کے اس دردناک انجام سے اس کو بہت مایوسی ہُوئی۔ لیکن پھر بھی اس

نے حوصلہ نہ ہارا قلعہ پھر تعمیر کیا گیا۔ کولمبس نے تحقیقات شروع کی۔ ہسپانیولا کے ساحلوں کا چکّر لگایا۔ کیوبا کا معائنہ بھی کیا۔ اور آخر میں جنوب کے ایک جزیرے میں پہنچا۔ جس کے متعلق مشہور تھا۔ کہ اس میں بہت سا سونا ہے۔ اس جزیرے کا نام اس نے سینٹیاگو رکھا (جو بعد میں جمیکا کے نام سے مشہور ہوًا) یہ جزیرہ اگرچہ بہت خوبصورت اور زرخیز تھا۔ لیکن انتہائی تلاش کے باوجود اس میں سونے کا نشان کہیں بھی نہ مِلا۔ آخر کولمبس نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور پھر ہسپانیولا میں آگیا۔ یہاں آکر اسے معلوم ہوًا کہ قلعہ بنانے میں بہت سی مشکلات حائل ہو رہی ہیں۔

اس دوران میں مارگرایٹ نے دربار ہسپانیہ میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلا رکھی تھی۔ کولمبس نے جس دولت کا وعدہ کیا تھا۔ وہ اب تک نہ پہنچی تھی۔ صرف چند سو باشندگانِ جزیرہ ضرور بھیج دیئے گئے تھے۔ جن کے متعلق کولمبس نے مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیئے جائیں آخر بادشاہ نے جان اکواڈو کو ہسپانیولا بھیجا۔ تاکہ حقیقی حالات معلوم کر کے اطلاع دے۔

کولمبس نے بادشاہ کی اس حرکت کو اپنی توہین خیال کیا۔ اور ہسپانیہ واپس آنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن خوش قسمتی دیکھو۔ کہ اس کے روانہ ہوتے ہی اندرون جزیرہ سے یہ خبر مِلی۔ کہ وہاں سونے کی کانوں کا سراغ مِل گیا ہے۔ چنانچہ جب کولمبس ہسپانیہ پہنچا۔ تو اس نے اپنے تمام مخالفین کی وہ خبر لی۔ کہ

انہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی تھی +

کولمبس ۱۴۹۶ء میں واپس ہسپانیہ پہنچا۔ اور دوسرے سال اسے نئی سرزمینوں کے گورنر جنرل کا عہدہ عطا کیا گیا۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے اعزازات بھی دیئے گئے۔ ۱۴۹۸ء میں وہ تیسری دفعہ بحراوقیانوس میں سے ہو کر روانہ ہُوا۔ کناریز پہنچکر اس نے اپنے چھ جہازوں کے بیڑے میں سے تین کو تو براہ راست ہسپانیولا بھیج دیا۔ اور تین کو ساتھ لے کر جنوب کی طرف نکل گیا۔ تاکہ کچھ نئے جزیروں کا سراغ لگائے۔ اسے اب تک یہی یقین تھا۔ کہ کیوبا ہی ایشیا کا برّاعظم ہے۔ اور غالباً یہی وجہ تھی۔ کہ وہ اپنے دوسرے سفر کے دوران میں نئے برّاعظم کی اصلی سرزمین دریافت کرنے سے قاصر رہا +

اس تیسرے سفر میں کولمبس نے امریکہ کی اصلی سرزمین پر قدم رکھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ کوئی اور برّاعظم ہے۔ بلکہ وہ اسے بھی ایک جزیرہ ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کا نام " آئیلا سینٹا " (یعنی مقدس جزیرہ) رکھا۔ یہ سرزمین ایک اور نئے دریافت شدہ جزیرے پر سے نظر آتی تھی۔ جس کا نام کولمبس نے ٹرینی ڈاڈ رکھا تھا۔ اس جزیرے کے ساحل پر چکّر لگاتے ہُوئے کولمبس نے برّاعظم کی سرزمین دیکھی۔ جس کے بعض اصلی باشندے اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر ان کے عجیب وغریب جہازوں کو دیکھنے کے لئے آئے۔ کولمبس نے بہت جلد ان وحشیوں سے دوستی پیدا کر لی۔ اور انہی

سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ٹرینی ڈاڈ کے سامنے جو دُور ایک سرزمین ہے۔ اس کو
پاریا کہتے ہیں۔ یہ خلیج پاریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھرتے پھراتے
ہسپانویوں کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہُوئی۔ کہ اصلی باشندے بے اندازہ سونا
اور موتی پہنے ہُوئے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے فوراً موتیوں کے مقامات کی تلاش
شروع کر دی +

ساحل کے ساتھ چکّر لگانے کے دوران میں ایک جگہ کولمبس نے دیکھا۔ کہ
تازہ پانی کی ایک بہت بڑی دھارا سمندر میں داخل ہو رہی ہے۔ یہ فی الحقیقت
دریائے اوری نیکو کا دہانہ تھا۔ اس کو دیکھکر کولمبس شک میں پڑ گیا۔ اور
سوچنے لگا۔ کہ جس سرزمین سے اتنا بڑا دریا آکر سمندر میں گر رہا ہے۔ وُہ
جزیرہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ تو یقیناً کوئی بڑا مُلک ہوگا۔ اس خیال سے
وہ برابر ساحل کے ساتھ ساتھ پھرتا رہا۔ اور ٹوباگو۔ گرینا ڈا۔ پرل کوسٹ۔
مارگرایٹ اور کیوباگوا بھی دریافت کر لئے۔ لیکن عین اس وقت بیماری نے
اس کو آلیا۔ اور اُسے تحقیقات پوری ہونے سے پہلے ہی ہسپانیولا کی
طرف واپس جانا پڑا +

جب وسط اگست ۱۴۹۸ء میں کولمبس ہسپانیولا پہنچا۔ تو اُس نے کیا دیکھا۔
کہ اس کا بھائی بھارتھولومیو جسے وہ اپنا قائم مقام مقرر کر گیا تھا۔ ایک نئی
بندرگاہ تعمیر کر رہا ہے۔ کیونکہ پہلی بندرگاہ ازابیلا صحت کے اعتبار سے
نہایت ناگوار ثابت ہُوئی تھی۔ اس نئی بندرگاہ کا نام "نیوازابیلا" رکھا گیا۔

جو بعد میں سان ڈومنگو ہو گیا۔ اور آج ہیٹی کے نام سے مشہور ہے +

کولمبس کی غیر حاضری میں اور بہت سے واقعات بھی رونما ہو گئے تھے۔ اگرچہ بارتھولومیو نے وحشیوں کو مطیع کر کے اُن سے خراج لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی۔ کہ اب خود ہسپانوی باغی ہو رہے تھے۔ کولمبس بیمار تھا۔ اس کی نظر بھی کمزور ہو چکی تھی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کا کام بھی اسی پر آن پڑا۔ لیکن حوصلہ مند اور بہادر کولمبس نے حالات کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی نوازش اور مرحمت سے بغاوت کی آگ فرو کر دی۔ لیکن اس کام میں اسے دو سال سخت محنت کرنی پڑی +

لیکن ابھی ایک اور سخت مصیبت کولمبس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جب کولمبس نے غلاموں کی پہلی کھیپ ہسپانیہ میں بھیجی۔ تو ملکہ ازابیلا نے انہیں یہ کہکر واپس کر دیا۔ کہ "میں اس خلافِ انسانیت بردہ فروشی کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوں" کولمبس نے خدا جانے کس خیال سے ایک اور کھیپ بھیج دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی واپس آگئی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اس کے دشمن دربار میں اس کے خلاف غصّہ و نفرت پیدا کرنے میں پوری کوشش سے کام لے رہے ہیں + اس کا انجام یہ ہوا۔ کہ کولمبس تو ہسپانیہ کی قلمرو کو روز بروز وسیع اور منظم کر رہا تھا۔ لیکن حکومت ہسپانیہ نے اس کی جگہ ایک شخص "فرانسسکو دی بوباڈلا" کو گورنر جنرل مقرر کر کے بھیج دیا۔ جو ۱۵۰۰ء میں ہسپانیولا پہنچ گیا +

بوباڈلا کو جو اختیارات دِئے گئے۔ اُن سے کام لے کر اس نے کولمبس کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور کہا۔ کہ تم نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ اور نئی آبادی کے اندر جو شورشیں پھیل رہی ہیں۔ ان کے ذمہ دار صرف تم ہو۔ اس نئے گورنر جنرل نے کولمبس کی انتہائی توہین یہ کی۔ کہ اُسے زنجیروں سے جکڑ کر ہسپانیہ بھیج دیا*

بڈھا کولمبس محنت شاقہ اور تفکرات کی وجہ سے پہلے ہی بدحال ہو رہا تھا۔ جب اس ذِلّت کے ساتھ اپنی عظیم الشان فتوحات کے مقام سے روانہ ہُوا۔ تو اس کی دردناک حالت قابلِ رحم تھی۔ لیکن اس کا حوصلہ اب بھی بلند تھا۔ اسے اپنے آپ پر اور اپنے مقصد پر پُورا بھروسہ تھا*

جب وہ ہسپانیہ پہنچا۔ تو اُس نے نہایت آسانی سے ان الزامات کا معقول جواب دے دیا۔ جو اس پر لگائے جا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ وہ صاف بری کر دِیا گیا۔ اور بادشاہ نے پھر ایک دفعہ اسے خطابات سے نوازا لیکن جس عہدے سے وہ موقوف کر دیا گیا تھا۔ اس پر پھر ممتاز نہ ہو سکا*

اگرچہ کولمبس کو برابر یہ خبریں پہنچ رہی تھیں۔ کہ اس کی دریافت کی ہُوئی سرزمین میں نہایت ظلم اور جبر سے حکومت کی جا رہی ہے۔ لیکن اس نے پھر بھی ہسپانیہ کی خیر خواہی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور مغرب کی طرف ایک نئے بحری سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ کولمبس نے اپنے دل ہی دل میں امریکہ کے اُن جزائر کی جغرافی تقسیم بھی کر رکھی تھی۔ وہ کیوبا کو ایشیا سمجھے بیٹھا تھا۔ اور

پار یا کو کسی دوسرے برّاعظم کا حصّہ سمجھتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خیال یہ بھی تھا۔ کہ ان دو برّاعظموں کے درمیان کوئی آبنائے ضرور ہوگی۔ چنانچہ اسی آبنائے کا پتہ چلانے کے لئے اس نے ۹۔ مئی ۱۵۰۲ء کو چوتھی اور آخری دفعہ اپنے جہازوں کو سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ اسے اب تک یقین تھا کہ ہندوستان پہنچنے کا مغربی رستہ ضرور موجود ہے۔ اور اگر یہ نئی آبنائے دریافت ہوگئی۔ تو ہندوستان پہنچنا بالکل ہی آسان ہو جائیگا جب واسکوڈی گاما نے راس امید کے اُوپر سے ہوکر ہندوستان کا بحری رستہ دریافت کرلیا۔ تو کولمبس کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ وہ پہلے سے بہت زیادہ کوشش کرنے لگا۔ اور شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا بھی بہت سرگرمی کا اظہار کرنے لگے۔

اس چوتھے سفر میں کولمبس نے اپنے بھائی بارتھولومیو اور اپنے بیٹے فرڈی نینڈ کو بھی ساتھ لیا۔ اور جب یہ سب لوگ ہسپانیولا پہنچے۔ تو اہل زمانہ کی ناقدردانی دیکھو۔ کہ انہیں وہاں لنگر انداز ہونے کی اجازت تک نہ دی گئی حالانکہ اگر کولمبس ان جزیروں کو دریافت نہ کرتا۔ تو ہسپانیہ والوں کو ان کی حکومت قیامت تک نصیب نہ ہوتی۔

عین اس وقت کولمبس کو معلوم ہُوا۔ کہ عنقریب سمندر میں ایک طوفان آنے والا ہے۔ اس نے اپنے چار چھوٹے چھوٹے جہازوں کو توسان ڈومنگو کے پاس ایک خلیج میں داخل کر دیا۔ اور ہسپانیولا کے گورنر کو اطلاع دے دی۔ کہ طوفان آنے والا ہے۔ اور میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ تیس جہاز سونے اور موتیوں

سے بھر کر ہسپانیہ کو روانہ کر رہے ہیں۔ ابھی چند روز توقف کیجئے۔ تو بہتر ہوگا طوفان گزر جانے کے بعد انہیں روانہ کر دیجئے گا۔ گورنر اور اس کے آدمیوں نے کولمبس کی ہنسی اُڑائی اور اس کی بات پر کان نہ دھرا۔ تیس جہازوں کا بیڑا روانہ ہُوا۔ تھوڑی دیر میں بادو باراں کے تیز و تند فراٹے بادبانوں کی دھجیاں اُڑانے لگے۔ اور سمندر کی لہریں اُٹھ اُٹھ کر آسمان کی خبر لانے لگیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ بیس جہازوں کا تو کہیں پتہ ہی نہ چلا۔ خُدا جانے کدھر کو نکل گئے اور کس طرح تباہ ہوئے۔ متعدد جہاز واپس سان ڈومنگو پہنچ گئے۔ صرف ایک ہسپانیہ پہنچا۔ اور یہ وہ تھا۔ جس میں کولمبس کے حصّے کا سونا لدا ہُوا تھا!

جب طوفان تھم گیا۔ تو کولمبس نے اپنے جہاز صحیح سلامت خلیج سے باہر نکالے۔ اور جولائی کے اخیر میں ہانڈوراس کے ساحل پر جا پہنچا۔ اگرچہ موسم بہت ناگوار تھا لیکن جہاز ساحل کا چکّر برابر کاٹتے رہے۔ مگر نہ کہیں سونا ملا۔ نہ کوئی آبنائے نظر آئی۔ نہ باشندوں میں سے کولمبس کا کوئی دوست بنا۔ اتنے میں کولمبس اور اس کے دوستوں کو ایک راس نظر آئی۔ جس کا نام اُنہوں نے "راس فضل خدا" رکھا۔ کیونکہ یہاں پُہنچ کر موسم بھی خوشگوار ہو گیا تھا۔ اور زمین نے بھی دوسرا رُخ اختیار کر لیا تھا۔ جس سے کولمبس کو اپنی کامیابی کی امید ہو گئی تھی +

جب کولمبس نکاراگوا اور ویراگوا کے ساحلوں کو دریافت کر چکا تو وحشیوں نے اس کو بتایا۔ کہ یہاں سے قریب ہی ایک تنگ مقام واقع ہے جس کے

پار ایک بہت بڑا سمندر لہریں لے رہا ہے۔ کولمبس سمجھنے لگا۔ کہ بس اب وُہ آبنائے قریب آگئی۔ جس کی تلاش میں اتنی مُدت گزر چکی ہے۔ حالانکہ جس مقام کی طرف وحشی اشارہ کر رہے تھے۔ وہ "خاکنائے ڈیرین" تھی۔ وحشیوں نے بہتیرا کہا کہ اس سرزمین میں سونا کثرت سے ملتا ہے۔ لیکن کولمبس نے کہا۔ کہ مَیں یونہی اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کہہ کر اُس نے لنگر اُٹھا لیا۔ اور ۲۔ نومبر کو ایک بہت بڑی بندرگاہ میں پہنچ گیا۔ جس کا نام اُس نے "نومبر دی ڈیوس" رکھا۔

کولمبس تو آئے دن نئی نئی زمینیں دریافت کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی بگڑ رہے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ صرف زمین دریافت کر لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ کہیں سونا تلاش کرنا چاہیئے۔ کہ محنت وصول ہو۔ اور زندگی آرام سے گزرے۔ صرف ایک آبنائے کی تلاش میں آوارہ پھرنا تو کوئی عقلمندی نہیں۔ لیکن ان کے بگڑنے کے باوجود کولمبس نے ایک مہینے تک سفر جاری رکھا۔ اور جب کوئی آبنائے نظر نہ آئی۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور ویراگوا کو واپس چلا آیا۔ لیکن اس سفر میں نہایت خوفناک مشکلات پیش آئیں۔ ساتھیوں نے ویراگوا پہنچتے ہی سونا فراہم کرنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں مالا مال ہو گئے۔ وہاں سے یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ یہ سونا جن کانوں سے آتا ہے۔ وہ مُلک کے اندر بہت فاصلے پر واقع ہیں۔

آخر ان لوگوں نے ہسپانیولا کا رُخ کیا۔ لیکن موسم ناموافق تھا۔ اس لئے جمیکا

کی طرف روانہ ہو گئے۔ غنیمت یہ ہُوا کہ وہاں کے وحشی باشندوں نے دوستی کا ثبوت دیا۔ ورنہ کولمبس اور اس کے ہمراہی سب کے سب تباہ ہو جاتے کیونکہ ان کے جہازوں کی حالت بہت ہی خراب ہو رہی تھی۔ چونکہ ایسی حالت میں جہازوں کو ہسپانیولا کی طرف لے جانا دشوار تھا۔ اس لئے کولمبس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص ڈیگو منڈیز نے کہا۔ کہ میں اپنے بجرے میں بیٹھ کر ہسپانیولا جاتا ہوں۔ اور نئے گورنر اووینڈو سے کہتا ہوں۔ کہ وہ ایک جہاز بھیجکر تم لوگوں کی جانیں بچا لے۔ منڈیز روانہ تو ہو گیا۔ لیکن روانگی سے تھوڑی ہی دیر بعد وحشیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد وہ ابھی اس مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔ کہ منڈیز اور اس کے مٹھی بھر رفیقوں کو کس طریقے سے موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔ کہ اتنے میں منڈیز نے موقع پایا۔ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور اپنے بجرے میں سوار ہو کر پھر جمیکا پُہنچ گیا۔ تاکہ از سرِ نو ہسپانیولا کو روانہ ہو جائے +

منڈیز تو چلا گیا۔ لیکن ایک مدت دراز تک ہسپانیولا سے کوئی خبر نہ آئی۔ اور آفت میں پھنسے ہُوئے ملّاحوں کی جان پر بننے لگی۔ کولمبس نے ان کی ہمّت بڑھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن ان میں سے اکثر نے بغاوت اختیار کی۔ اور کشتیاں لے کر ہسپانیولا کو روانہ ہو گئے۔ لیکن پھر جمیکا واپس آ گئے۔ اور وحشیوں پر خواہ مخواہ حملے کرنے لگے + ان حملوں کا الزام کولمبس پر عاید ہُوا۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جب کھانے پینے کے ذخائر ختم ہو گئے۔ تو وحشیوں نے مزید رسد مہیّا کرنے

سے انکار کر دیا + اب کولمبس نے سوچا۔ کہ کیا کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں ایک بہت مزے کی تدبیر اس کے ذہن میں آئی۔ یورپ کے لوگ اکثر کم علم اور جاہل وحشیوں کی جہالت اور وہم پرستی سے یونہی فایدہ اُٹھایا کرتے ہیں۔ کولمبس کو ستاروں کے علم میں بہت دخل تھا۔ اسے معلوم تھا۔ کہ عنقریب چاند گہن ہونے والا ہے + اس نے وحشیوں سے کہا۔ کہ "دیکھو تم نے گورے آدمیوں کو رسد دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے گورے آدمیوں کا خدا تم پر غیظ و غضب کا عذاب نازل کرنے والا ہے۔ اس عذاب کی ایک نشانی فلانے دن ظاہر ہوگی۔ چاند سیاہ کر دیا جائیگا۔ اور اس کی روشنی چھین لی جائیگی۔" جب کولمبس کی یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ تو وحشی اسقدر خوفزدہ ہُوئے۔ کہ ہاتھ باندھ باندھ کر کولمبس کی منتیں کرنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہم قصوروار ہیں۔ اب آپ ہمیں جو حکم دینگے اس پر عمل کیا جائیگا +

جب منڈیز کو ہسپانیولا کی طرف روانہ ہُوئے آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ ایک جہاز جمیکا کے کنارے پر پہنچا۔ اس جہاز کے ناخدا نے کولمبس سے کہا۔ کہ میں گورنر اووینڈو کی طرف سے صرف ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ گورنر صاحب نے بہت افسوس کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کوئی اتنا بڑا جہاز موجود نہیں۔ جس پر آپ کے سارے ملاح سوار کرا کر لائے جاسکیں۔ لیکن عنقریب اس قسم کا جہاز مہیا کرنے کی کوشش کیجائیگی۔ اووینڈو کا پیغام سُنکر کولمبس اور اس کے ساتھی بہت پریشان ہوئے۔ اور سب کے دلوں میں فکر و تردد پیدا ہو گیا

لیکن وہ بہادر اور بڈھا ناخدا کولمبس شیر کا سا کلیجہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی ہمت بلند رکھی۔ اور سمجھ لیا۔ کہ یہ بھی دشمنوں کی ایک چال ہے۔

جب گورنر کا پیغام رساں جہاز واپس چلا گیا۔ تو کولمبس کے لئے نئی مشکلات پیدا ہوگئیں اس کے ساتھیوں نے پھر بغاوت کر دی، کولمبس بیمار تھا۔ اس نے اپنے بھائی بارتھولومیو کو باغیوں سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ بات چیت تو کیا ہوتی جنگ وپیکار کا ہنگامہ گرم ہوگیا۔ جس میں بارتھولومیو کو فتح حاصل ہوئی۔ اور وہ باغیوں کے ایک سرغنہ کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے آیا۔ بغاوت کی آگ فرو ہوگئی۔ اور اس کے بعد چار مہینے تک کولمبس کو کسی دقت کا سامنا نہ ہوا، آخر دو جہاز پہنچ ہی گئے۔ کولمبس اور اس کے ہمراہی ان میں سوار ہوکر روانہ ہوئے۔ اور ۱۳۔ اگست کو سان ڈومنگو پہنچ گئے، کولمبس اور اوویڈو کی آپس میں نبتی نہ تھی۔ اس لئے کولمبس وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرا۔ اور ۱۲ ستمبر ۱۵۰۴ء کو دو جہاز ساتھ لے کر ہسپانیہ کی طرف روانہ ہوا۔ ایک نہایت خوفناک سفر کے بعد اس کے جہازوں نے سینٹ لیوکر کی بندرگاہ میں پہنچکر لنگر ڈال دیئے۔

اب کولمبس کا کام ختم ہوچکا تھا۔ اس نے "نئی دنیا" دریافت کر لی تھی۔ اس نے ہسپانیہ کی قلمرو کو وسیع کر دیا تھا۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ جس ملک کے لئے اس نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ اس نے اس کی کوئی قدر نہ کی۔ ازابیلا کا انتقال ہوچکا تھا۔ کولمبس نے شاہ فرڈی ننڈ کی حضور میں ایک درخواست بھیجی۔ جس میں یہ لکھا۔ کہ جو حقوق مجھے عطا کرنے کے بعد چھینے جاچکے ہیں۔ وہ اگر واپس دے دیئے جائیں۔ تو شاید میری زندگی کے آخری ایام آرام و اطمینان سے

گزر جائیں۔ لیکن بادشاہ نے اس درخواست پر کوئی توجہ نہ کی ۔

کولمبس بلند حوصلہ۔ شیردل اور صاحبِ ایثار آدمی تھا۔ گو اس کے آخری ایّام گمنامی اور ناقدری میں بسر ہوئے۔ لیکن اسے اپنے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے پورا اطمینان تھا۔ اور اسی اطمینان کی حالت میں ۲۰۔ مئی ۱۵۰۶ء کو اس نے جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کی۔ اور قیامت تک کے لئے دُنیا والوں کو اپنی عظمت کا افسانہ خواں بنا گیا ۔

First Voyage on Pacific Ocean.

بحرالکاہل میں پہلا سفر

جب کولمبس نے یورپ کے مغرب میں نئی زمین دریافت کر لی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگوں کو اس زمین سے نفع اُٹھانے کا بے انتہا شوق پیدا ہو گیا تم پچھلے ذکر نئی دُنیا میں پڑھ چکے ہو۔ کہ کولمبس کو ۱۴۹۲ء میں صرف چند جزیروں تک پہنچنے کا موقع ملا تھا۔ اور کہیں چھ سال بعد ۱۴۹۸ء میں جا کر اسے نئے برِّاعظم کی اصلی زمین نظر آئی تھی + اسی دوران میں ۲۴ - جون ۱۴۹۷ء کو ایک شخص جان کیبٹ برسٹل سے روانہ ہُوا۔ اور ایک خاص سرزمین پر پہنچا جس کا نام اس نے "پرائیما وِسٹا" رکھا۔ اور ایک جزیرہ بھی دیکھا جسے سینٹ جان کے نام سے موسوم کیا۔ یہ زمینیں بعد میں لیبراڈور اور نیو فاؤنڈلینڈ کہلائیں اور اب تک انہیں ناموں سے مشہور ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس سے کئی سو سال پیشتر چند نارسمین ایک شخص ایرک کی سرکردگی میں ان مقامات پر پہنچ چکے تھے۔ اور انہوں نے ۹۸۳ء میں گرین لینڈ کے ساحلوں پر اپنی ایک نوآبادی بھی بسا لی تھی + اس سے کوئی ایک سو سال کے بعد شمال کے کچھ اَور آدمی بھی لیبراڈور۔ نیو فاؤنڈلینڈ۔ مارک لین اور نواسکوشیا پہنچ گئے تھے۔ یہانتک کہ جنوب میں موجودہ شہر بوسٹن کے علاقے تک بھی ہو آئے تھے۔ لیکن جغرافیائی اہمیّت کے لحاظ سے اور دوسرے نتائج کے اعتبار سے بھی

شمالی لوگوں کے ان کارناموں کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ جنوبی یورپ میں ان کے سفر کے نہایت مبہم سے حالات معلوم ہوئے تھے۔ اور کسی کو ان حالات سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ uninteresting

اگرچہ برِّاعظم امریکہ کی اصلی سرزمین پر سب سے پہلے جان کیبٹ نے قدم رکھا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ عملی مقاصد کے لحاظ سے امریکہ کو دریافت کرنے کا سہرا کولمبس ہی کے سر ہے۔ لیکن قسمت کی رسائی دیکھو۔ کہ اس نئے برِّاعظم کا نام اس شخص کے نام پر رکھا گیا۔ جو ان دونوں ناخداؤں کے بعد روانہ ہُوا تھا۔ اس کا نام امریگو وسپوچی تھا۔ یہ ناخدا ۱۴۹۷ء میں مغرب کی طرف روانہ ہُوا۔ مئی میں ہانڈوراس پہنچا۔ اور وہاں سے یوٹاکان بلکہ فلوریڈا تک پہنچ گیا۔ اب اس معاملے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ کہ آیا جنوب کی طرف امریکہ کے برِّاعظم پر اُترنے کا شرف وسپوچی کو دیا جائے۔ یا یہ کولمبس کا حصّہ ہے۔ وسپوچی پر چنداں اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جب سفر سے واپس آیا ہے۔ تو اپنے ساتھ سونا نہیں لایا۔ اور لوگوں کے نزدیک مغرب کی طرف سفر کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا۔ کہ سونا فراہم کیا جائے۔

۱۴۹۹ء میں امریگو وسپوچی نے "الونزو دی اوجیدا" کو ساتھ لیکر دوسرا سفر اختیار کیا۔ اور برِّاعظم امریکہ کی اصلی سرزمین کے اس مقام پر پہنچا۔ جو ٹرینی ڈاڈ سے تقریباً پانسو میل جنوب میں واقع تھا۔ جہازوں نے بہت دُور

تک ساحل کے ساتھ ساتھ اس امید سے چکّر لگایا۔ کہ کہیں سے کچھ سونا ہاتھ آجائیگا۔ لیکن کچھ بھی نہ مِلا۔ تھوڑی مُدّت کے بعد وہ شمال مغرب کی طرف پاریا کو واپس آگئے۔ جہاں بعض وحشی باشندوں سے ان کی لڑائی ہُوئی۔ بعض سے دوستی کے تعلقات قائم ہُوئے۔ اور پھر وہ ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کو چل دیئے۔ اس ساحلی علاقے کا نام اُنھوں نے "وینزویلا" رکھا۔ جس کے معنی ہیں "چھوٹا وینس" اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی۔ کہ وہاں بعض وحشیوں نے ایک چھوٹے سے جزیرہ نما پر ایک گاؤں آباد کر رکھا تھا۔ اور اسے دیکھ کر ملاحوں کو اٹلی کا مشہور شہر وینس یاد آگیا تھا +

وسپوچی اور اوجیدا دولت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ لیکن جب انہیں سونا بھی نہ مِلا۔ اور موتیوں کا سراغ بھی نظر نہ آیا۔ تو اُنہوں نے غلام ہی گرفتار کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن اس میں انہیں چنداں کامیابی نہ ہوئی +

وسپوچی نے دو دفعہ سفر کیا۔ اور اسے دونوں دفعہ مالی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دوسری طرف کولمبس دھڑا دھڑ یہ خبریں بھیج رہا تھا۔ کہ یہاں بڑی دولت ہے۔ آؤ اور جمع کر کے لے جاؤ۔ ان خبروں سے حرص و آز کا جذبہ تو بہت تیز ہوگیا تھا۔ لیکن اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دربار ہسپانیہ میں کولمبس کی طرف سے بھی بے اطمینانی پیدا ہوگئی تھی +

جن دِنوں کولمبس کی ہر دلعزیزی کا مطلع غبار آلود ہو رہا تھا بہت سے اَور

ناخدا نئی زمینوں کی دریافت اور دولت کی فراہمی کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ پنزوں اور کبرال الگ الگ روانہ ہوئے۔ لیکن دونوں نے ۱۴۹۹ء میں برازیل دریافت کر لیا۔ پنزوں نے اپنے سفر کے دوران میں دریائے امیزن کا پتہ بھی چلا لیا۔ اور ۱۵۰۰ء میں ڈیگوڈی لیپ نے ساحل کے ساتھ ساتھ خاکنائے ڈبرین تک پہنچکر جنوبی امریکہ کے شمالی ساحل کا چکر پورا کر دیا +

۱۵۰۱ء میں امریگو وسپوچی نے ہسپانیہ کے بادشاہ فرڈی ننڈ کی ملازمت ترک کر کے پرتگال کے بادشاہ مانویل کے ماتحت کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ پوپ نے جو اس زمانے میں بادشاہوں اور قوموں کا سرپنچ تسلیم کیا جاتا تھا۔ برازیل کو شاہ پرتگال کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس بادشاہ نے وسپوچی کی سرکردگی میں ایک جماعت کو نئی زمینیں دریافت کرنے کے لئے بھیجنے کا تہیہ کر رکھا تھا +

وسپوچی اپنے ساتھیوں کو لے کر ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہؤا۔ اور راس "ڈی روک" اور راس سینٹ اگسٹائن کو رستے میں چھوڑتا ہؤا جنوب کی طرف بڑھ گیا۔ یہ لوگ ساحل پر جہاں کہیں اُتر پڑتے۔ وہیں کا علاقہ اس قدر خوشنما۔ خوبصورت اور شاداب نظر آتا۔ کہ وہ اِسے "جنّتِ ارضی" سمجھنے لگتے تھے۔ لیکن نہ تو اُنہوں نے "جنّتِ ارضی" پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ نہ انہیں سونا اور موتی ہی ہاتھ آئے۔ البتہ وسپوچی اور اس کے جہاز خطِ استوا سے بہت آگے نکل گئے۔ تھوڑی مدت کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ زمین کا پیچھا چھوڑ کر

بے نشان اور وسیع سمندروں میں اپنے جہازوں کو دھکیل لے جائیں+ یہ عزم ایسا تھا۔ جس کی جرأت کولمبس کے ہمراہیوں کو بحر اوقیانوس میں بھی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جہازوں کا رُخ جنوب مشرق کی طرف پھیر دیا گیا۔ کوئی تین مہینے تک آسمان اور سمندر کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اور یہ اولوالعزم ناخدا اپریل میں دُنیا کے ایک ایسے حصّے میں پہنچ گئے۔ جہاں بارہ مہینے جاڑے کا موسم رہتا تھا۔ اپریل کے مہینے میں پندرہ گھنٹے کی رات! ملاحوں کے نزدیک دُنیا باکل بدل گئی تھی+ آخر ۷۔ اپریل کو ایک جزیرہ نظر آیا۔ (یہ وہی جزیرہ تھا۔ جسے سالہا سال بعد کپتان کُک نے نئے سرے سے دریافت کر کے سوتھ جارجیا کے نام سے موسوم کیا) جزیرہ بنجر اور ویران پڑا تھا۔ چلّے کا سا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ہر طرف کُہرے کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور آدم زاد کا نشان تک نظر نہ آتا تھا اس سردی اور ویرانی سے وسپوچی کے بڑے بڑے بہادر ملاحوں نے بھی ہمّت ہار دی۔ اور آخر فیصلہ کیا گیا۔ کہ ان خوفناک سمندروں سے نکلکر واپس چلنا چاہئے+ وہاں سے یہ لوگ افریقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مئی کے وسط میں سیرالیون پہنچے + وہاں سے ازورس کے رستے پُرتگال چلے گئے۔ یہ ناخداؤں کی پہلی جماعت تھی۔ جس نے دیدہ ودانستہ بحر منجمد جنوبی کا سفر اختیار کیا تھا+ مراجعت پر وسپوچی نے ایک مکتوب لکھا۔ جس میں اپنے دریافت کردہ ملک کو جو خطِ استوا کے جنوب میں واقع تھا" نئی دُنیا" کے نام سے موسوم کیا۔ اگرچہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ نئی دُنیا کا نام کولمبس کے نام پر رکھا جاتا۔ لیکن چونکہ وسپوچی نے اتنا لمبا

ساحل دریافت کیا تھا۔ کہ دوسرے کسی ناخدا کو نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے ۱۵۰۷ء میں ایک جغرافیہ دان مسمّٰی والسی مُلر نے اس برّاعظم کا نام امریگو وسپوچی کے نام پر امریکہ رکھ دیا ؎

وسپوچی بھی کولمبس کی طرح اس وہم میں گرفتار تھا۔ کہ نئی زمینوں کے آس پاس کوئی ایسی آبنائے ضرور ہے۔ جو ہندوستان سے ملتی ہے ؛ چنانچہ ۱۵۰۳ء میں اس نے پھر مغرب کا سفر اختیار کیا۔ اس دفعہ اس کا رفیق ایک شخص "کونکالو کوہلو" تھا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی۔ کوہلو وسپوچی کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور وسپوچی نے اس مقام پر ایک نوآبادی بسانے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں آجکل رایو ڈی قبیرد واقع ہے۔ اس کے بعد وہ لزبن واپس آگیا۔ اور ہندوستان کا مغربی بحری رستہ دریافت کرنے کی محنت اور عزّت کسی دوسرے شخص کے لئے چھوڑ گیا ؎

ہسپانیہ نے کوشش تو یہ کی تھی۔ کہ ہندوستان کا بحری رستہ دریافت ہو جائے۔ لیکن اتفاق کی بات کہ ایک نیا برّاعظم دریافت ہوگیا۔ اس سے ہسپانیہ کو چنداں فایدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہوگیا۔ اور امریکہ سانپ کے مُنہ میں چھچھوندر بن گیا۔ کہ اُگلے چین نہ نگلے چین۔ اسی اثنا میں پرتگال والے اگرچہ ایک طرف ہندوستان کا مغربی بحری رستہ تلاش کرنے میں بھی مصروف تھے۔ لیکن دوسری طرف راس امید کے رستے سے ایشیا کے ساتھ برابر تجارت کر رہے تھے۔ اور ان کا خزانہ روز بروز مالامال ہو رہا تھا۔ ہرسال

پرتگال والے نئی نئی زمینیں دریافت کر رہے تھے۔ اور نئے نئے علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو کو بڑھا رہے تھے+ اس کے مقابلے میں ہسپانیہ نہایت سر توڑ کوشش میں مصروف تھا۔ کہ کسی نہ کسی طرح ایشیا کی بے اندازہ دولت سے اپنا حصّہ حاصل کرے۔ جہاں کہیں یہ ذکر ہوتا کہ امریکہ کے ساتھ کوئی آبنائے ضرور ہے۔ وہیں ہسپانیہ کے تمام ناخدا اسے دریافت کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاتے لیکن یہ شرف ڈیرین کی نوآبادی کے گورنر نونیز ڈی بالبوا کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ کہ اس عظیم الشان برّاعظم کو عبور کر کے اس سمندر میں جہاز رانی کرے۔ جس کے پار ہندوستان واقع ہے +

ایک دن کا ذکر ہے۔ بالبوا کے بعض عہدے دار تھوڑے سے سونے پر لڑ جھگڑ رہے تھے۔ بالبوا بھی موجود تھا۔ اور تماشائیوں میں ایک وحشیوں کا سردار بھی کھڑا تھا۔ اس سردار نے جب ہسپانویوں کو لڑتے بھڑتے دیکھا۔ تو وُہ نفرت سے کہنے لگا۔ کہ "تم لوگ اتنے تھوڑے سے سونے پر لڑے مرتے ہو۔ آؤ۔ مَیں تمہیں ایک ایسے علاقے میں لے جاؤں۔ جہاں کے دریاؤں میں پانی کی جگہ سونا بہتا ہے۔ اور وہی سمندر میں آ کر گرتا ہے +

بالبوا نے جھٹ اس موقع سے فایدہ اُٹھایا۔ اور خاکنائے ڈیرین کے اندر چل دیا۔ یہ سفر گو واقعات کے اعتبار سے کچھ بہت زیادہ خطرناک نہ ہو۔ لیکن ملّاحوں کے خیالی خطرات بہت شدید تھے۔ کیونکہ آجتک کسی یورپین نے اندرونِ مُلک میں اسقدر دور دراز سفر نہ کیا تھا۔ ایک دفعہ وحشی باشندوں

نے ہسپانویوں کی جماعت پر حملہ بھی کیا۔ لیکن جو سردار اُن کا بدرقہ بنا ہُوا تھا۔ اُس نے بالبوا سے کہا۔ کہ اب ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سے اُس پُراسرار سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے +

چونکہ بالبوا چاہتا تھا۔ کہ اس سمندر میں سب سے پہلے اُسی کی نظر پڑے۔ اس لئے اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک پہاڑی کے دامن میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور خود پہاڑی پر چڑھ گیا۔ ۱۵۱۳ء کے ستمبر کی ۲۵ تاریخ تھی۔ کہ اُس نے اس پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اس وسیع اور موّاج سمندر پر اپنی نگاہیں ڈالیں۔ جسے وہ بحرِ ہند سمجھتا تھا +

جب بالبوا نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر وہ نیا سمندر دکھایا۔ تو وُہ تمام اس کے پہلو میں کھڑے ہُوئے حیران و ششدر ہو رہے تھے۔ اور ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے۔ اس کے بعد اُنہوں نے ہمزبان ہو کر قسم کھائی۔ کہ "ہم سب اپنے سردار کی اطاعت کرینگے۔ اور اس سمندر میں مردانہ وار سفر کر کے اس سرزمین تک پُہنچکر رہینگے۔ جو اس کے پار واقع ہے +"

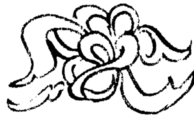
بالبوا اس سرزمین اور اس سمندر پر ہسپانیہ کی طرف سے قبضہ کرنے کی رسم بجا لایا۔ اس وقت سے "بحرِ جنوبی" (اس سمندر کا یہی نام رکھا گیا تھا) ہسپانیہ کے لئے خدا کا خاص عطیہ سمجھا جانے لگا۔ اور اس کے رستوں کی سخت حفاظت ہونے لگی۔ یہانتک کہ جب کچھ مُدّت بعد ایک اور ملّاح میجلن نے اس سمندر کا بحری رستہ دریافت کیا۔ تو یہ دریافت بھی محض ہسپانیہ

کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ اور دوسری قوموں کے جو آدمی اس سمندر میں سے گذرنے کی جرات کرتے تھے۔ وہ سب ڈاکو اور رہزن قرار دیئے جاتے تھے۔ مثلاً انگلستان کا مشہور ناخدا فرانسس ڈریک جس نے بعد میں ہسپانوی جہازوں کو بُری طرح تباہ کیا۔ ہسپانویوں کے نزدیک سب سے بڑا بحری ڈاکو تھا۔

اب بالبوا کے دشمنوں نے اس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اور بادشاہ سے اصرار کیا۔ کہ ڈیرین کے اس گورنر کی حرکات کے متعلق تحقیقات کرائی جاتے۔ ایک مجلس تحقیقات مقرر کی گئی۔ جس کا صدر ایک شخص داویلہ تھا۔ یہ شخص دو ہزار نفری فوج لے کر ابھی روانہ ہوا ہی تھا۔ کہ بالبوا کی کامیابی کی خبر پہنچ گئی۔ اگر یہ خبر ذرا پہلے پہنچ جاتی۔ تو داویلہ کو روکا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ روانہ ہو چکا تھا۔ اور بالبوا کی بدقسمتی دیکھو۔ کہ داویلہ نے ڈیرین پہنچتے ہی اس پر غداری اور وطن فروشی کا جھوٹا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا۔ ہسپانیہ "ایک سخت گیر آقا" تھا۔ اور اس نے اپنے نوکروں سے ہمیشہ بیدردی کا ثبوت دیا تھا۔ کولمبس نے ہسپانیہ کو ایک نئی دُنیا عطا کی۔ لیکن وہ گمنامی کی موت مرا۔ اور بالبوا جس نے ایک نیا سمندر دریافت کیا تھا۔ نہایت ذلت۔ رسوائی اور نامرادی کے ساتھ قتل کیا گیا۔

اگرچہ دربار نے اپنی ناقدردانی اور کفران نعمت کا ثبوت دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ اور ہر کامیاب ناخدا کے بے شمار دشمن پیدا ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بعض ایسے جوانمرد موجود تھے۔ جو اب بھی اس قسم

کے کارناموں پر آمادہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ میکسیکو میں کورٹیز۔ پیرو میں پزارو اور بے شمار دوسرے ناخداؤں اور فاتحوں نے ہسپانیہ کی قلمرو میں عظیم الشان اضافہ کر دیا۔ اور یہی ہسپانیہ سالہا سال تک نئی دُنیا پر اپنی مطلق العنان حکمرانی کا پرچم اُڑاتا رہا۔ تاآنکہ انگریزوں نے اس کی بیخکنی کی۔ اور خود شمالی امریکہ پر چھا گئے ‌‌*



دُنیا کے گرد بحری سفر

The Voyage around the world.

تم نئی دُنیا کے بیان میں پڑھ چکے ہو۔ کہ پہلے پہل کولمبس نے اپنے بحری سفر کا ارادہ شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا تھا۔ لیکن جب اُس نے مدد دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی، تو وہ ہسپانیہ کی طرف متوجّہ ہُوا۔ اسی طرح جس شخص نے کولمبس کے بعد اس کے مقصد کو تکمیل کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی پرتگال سے بیزار ہوکر ہسپانیہ کی طرف ہی گیا تھا+ اس شخص کا نام فرڈی ننڈ میجلین تھا۔ اس نے کئی سال تک شاہ پرتگال کے بحری محکمے میں ملازمت کی لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ قدردان نہیں۔ یہانتک کہ تنخواہ میں اضافہ ہونا بھی دشوار ہو رہا ہے تو اس نے نوکری چھوڑ دی۔ اور ہسپانیہ کی طرف چل دِیا۔ تاکہ بحر جنوبی اور ایشیا کی وہ درمیانی آبنائے دریافت کرے۔ جس کے لئے مُدّت دراز سے بے شمار ناخدا آوارہ ہو رہے تھے+

اس وقت ہسپانیہ پر چارلس پنجم حکمران تھا۔ اس نے میجلین کی خوب آؤبھگت کی۔ اور آخر ۱۰۔ اگست ۱۵۱۹ء کو میجلین پانچ جہاز اور اڑھائی سو آدمی ساتھ لے کر سیوائل سے روانہ ہوا+ ان اڑھائی سو آدمیوں میں بعض ایسے پرتگیز بھی تھے۔ جنہیں مانوئیل شاہ پرتگال نے اس لئے رشوت دے کر بھیجا تھا کہ وہ میجلین کے کام میں خلل انداز ہوں۔ اور اسے ناکام و نامراد رکھنے کی پُوری

کوشش کریں۔خوش قسمتی سے میجیلن کو اس چال کا حال معلوم ہو گیا۔اور وہ بہت چوکنّا رہنے لگا۔تاکہ جونہی بغاوت اور غدّاری اپنا سر اٹھائے۔وہ فوراً اس کی گردن توڑ کے رکھ دے +

۱۰۔جنوری ۱۵۲۰ء کو برازیل کے قریب میجیلن نے کیا دیکھا۔کہ دو زمینوں کے درمیان ایک لمبی سی آبنائے دُور تک چلی گئی ہے۔وہ سمجھا۔کہ شاید یہی وہ آبنائے ہے۔جو ملّاحوں کی امیدوں کا مرکز بنی ہُوئی ہے۔چنانچہ اُس نے اس کی دیکھ بھال شروع کر دی۔کئی ہفتے اِس کام میں صرف ہو گئے۔لیکن بعد میں معلوم ہُوا کہ وہ آبنائے نہیں۔بلکہ برازیل کا مشہور دریا لاپلاٹا ہے۔اور میجیلن کے جہاز اندروں ملک میں گھُسے چلے جا رہے ہیں + یہ معلوم کر کے میجیلن اور اس کے ساتھی واپس سمندر میں آئے۔اور پھر ساحل کے ساتھ ساتھ چلے + وہ ہر خلیج اور کھاڑی کی دیکھ بھال کرتے۔لیکن کہیں کامیابی کی صورت نظر نہ آتی۔آخر وہ مارچ میں سینٹ جولین کی بندرگاہ میں داخل ہُوئے۔اور وہاں میجیلن نے جاڑوں کا موسم بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔لیکن جب اپنے رفیقوں سے بات چیت کی۔تو معلوم ہُؤا۔کہ سب کے سب فوراً ہسپانیہ کو واپس چلنے کے خواہشمند ہیں میجیلن نے اُن کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔جس کا نتیجہ یہ ہُؤا۔کہ بغاوت کے وہ شعلے جو اب تک دبے ہُوئے تھے۔ایک دم بھڑک اُٹھے +

باغیوں کے سرغنے کا نام منڈوزا تھا۔میجیلن کے بعض وفادار آدمی

منڈوزا کے جہاز پر پہنچے۔ اور اس سے کہا۔ کہ "میجیلن کے جہاز پر چلو۔ اس نے تمہیں طلب کیا ہے۔" منڈوزا نے نہایت گستاخی اور شوخ چشمی سے انکار کر دیا۔ اس پر میجیلن کا ایک آدمی اس کی طرف جھپٹا۔ اور اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ کر اس کا کام تمام کر گیا + نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ دونوں جماعتوں میں شدید لڑائی ہُوئی۔ لیکن آخر میں فتح میجیلن والوں ہی کو ہُوئی۔ اور اُنہوں نے جہاز پر قبضہ کر لیا +

اس وقت تین جہاز میجیلن کے قبضے میں تھے۔ اور دو باغیوں نے ہتیا لئے تھے۔ میجیلن نے ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دے دی۔ اور بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ موسمِ سرما گزارنے کے لئے وہیں مقیم ہو گئے۔ اگست تک وہاں آرام کرنے کے بعد وہ پھر روانہ ہُوئے۔ اور موسم کی خرابی کے باعث کہیں اکتوبر میں جا کر راس ورجنز تک پہنچے۔ یہاں پھر ملاحوں کو ایک وسیع رود بار نظر آئی۔ اور میجیلن نے خیال کیا۔ کہ یہ وہی آبنائے ہے۔ جو اس کی منتہائے مقصود تھی۔ اس نے ایک کپتان کو اس آبنائے کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا۔ جس نے واپس آکر بتایا۔ کہ واقعی یہ آبنائے ہی معلوم ہوتی ہے + اس پر میجیلن نے اپنے افسروں کی ایک کونسل منعقد کی۔ اور اس سے مشورہ پُوچھا۔ اس موقع پر بھی کثرت رائے یہی تھی۔ کہ فوراً واپس گھر چلنا چاہئے لیکن میجیلن نے ایک نہ مانی اور صاف کہہ دیا۔ کہ اگر اس رستے سے بحرِ جنوبی تک پہنچنا ممکن ہے۔ تو خدا کی قسم مَیں پہنچ کے رہونگا۔ یا اسی کوشش میں

جان دے دُونگا۔

آخر میجلین نے اپنی مرضی سب سے منوالی۔ اور آبنائے میں داخل ہُوا۔ یہ آبنائے بہت دشوار گزار اور صدہا میل لمبی تھی۔ اس لئے اس میں سفر کرتے ہُوئے کئی ہفتے گزر گئے۔ وحشی باشندوں کا تو کہیں نشان بھی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن رات کو بائیں طرف کی سرزمین پر آگ کے شعلے دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میجلین نے اس مُلک کا نام ٹیرا ڈل فیوگو (یعنی آگ کا علاقہ) رکھا۔ چونکہ سفر ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ اس لئے جہازوں کے ملاحوں میں پھر اضطراب رونما ہونے لگا۔ ایک جہاز سینٹ یاگو تباہ ہوچکا تھا۔ اور دوسرے جہازوں کے آدمی بھی اس خوفناک انجام کے منتظر تھے۔ آخر ایک رات جہاز "سان انٹینیو" کے ملّاحوں نے اپنے ناخدا کی سرکردگی میں بغاوت کردی۔ اور اندھیرے میں بھاگ کر غائب ہوگئے۔ جب میجلین کو پتہ چلا۔ تو اس نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن پھر انہیں اپنے حال پر چھوڑ کر باقی تین جہازوں ہی کو لے کر چل دیا۔

چلتے چلتے آخر ۲۷۔ نومبر ۱۵۲۰ء کو میجلین کا جہاز ایک بہت وسیع عظیم الشان اور ساکن سمندر میں داخل ہُوا۔ جس کی وسعت کو دیکھ کر خُدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ میجلین نے اس کے سکون کو مدِنظر رکھ کر اس کا نام بحرالکاہل رکھا۔ اور جب اس نے جہاز کے عرشہ پر کھڑے ہو کر اس سمندر کی صاف سطح پر نظر ڈالی۔ تو اس کے دل میں کامیابی کی خوشی کا طوفان اُمڈ رہا تھا۔ کیونکہ جس آبنائے

کے لئے بہت سے بہادر ناخداؤں نے خطرات اور موت کا مقابلہ کیا تھا۔ اس میں سے گزرنے کا شرف میجلین کو حاصل ہو گیا تھا ٭

چونکہ میجلین کی منزل مقصود ایشیا تھی۔ اس لئے اس نے جہازوں کی ضروری مرمت اور اشیائے خوردنی کی فراہمی کے بعد پھر لنگر اٹھا دیئے۔ اور بحرالکاہل کو عبور کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا ٭ ساڑھے تین مہینے تک کہیں زمین کا نام و نشان تک دکھائی نہ دیا۔ تمام ذخائر ختم ہو گئے۔ بسکٹ ٹھر گئے۔ اور ملاح ان کا چورا کھا کھا کے گزران کرتے رہے۔ پانی کے پیپے بالکل خالی ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور جو بچے وہ اسقدر کمزور ہو چکے تھے۔ کہ بمشکل جہاز کو چلا سکتے تھے ٭

میجلین نے اپنے آدمیوں کا حوصلہ بڑھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور ان سے کہا۔ کہ تم فکر نہ کرو۔ "زمین اب بالکل قریب ہے"۔ اس کی یہ پیشینگوئی بالکل صحیح نکلی۔ کیونکہ ۶۔ مارچ ۱۵۲۱ء کو یہ لوگ ایک مجمع جزائر تک پہنچ گئے۔ ان جزیروں کے رہنے والوں کو چوری کی لت تھی۔ اس لئے میجلین نے ان جزیروں کا نام "لیڈرونز" (یعنی جزائر دزداں) رکھا ٭ یہ باشندے اس قدر وحشی تھے۔ کہ جب ان کی چوریوں سے تنگ آ کر میجلین نے ان کے مقابلے کے لئے تیر اندازوں کی ایک جماعت بھیجی۔ تو وہ لوگ اپنے جسموں میں سے تیر کھینچ کھینچ کر نکال لیتے تھے۔ اور نہایت حیرت سے انہیں دیکھتے جاتے تھے ٭

جزیروں کی سیر سے میجلین کے ملاحوں کی جان میں جان آ گئی۔ انہوں نے

پھل پھلاری مچھلی اور تازہ پانی کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ اور پھر نہایت مسرت اور اطمینان کے ساتھ آگے روانہ ہوئے ۱۹۰۔ مارچ کو وہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ جسے آج کل فلپائن کہتے ہیں۔ میجیلن اور اس کے ہمراہیوں نے اسے ایشیا خیال کر کے بہت خوشی منائی۔ اور چونکہ اس سرزمین میں دولت کی کمی نہ تھی۔ اس لئے میجیلن بہت مطمئن ہو رہا تھا۔

پرانے زمانے کے ملاح نئی دریافتوں اور نو آبادیوں میں مذہبی جوش کو ہمیشہ شامل رکھتے تھے۔ اور میجیلن بھی انہی میں سے تھا۔ وہ خود رومن کیتھولک عقیدے کا پابند تھا۔ اور جزیروں کے باشندوں کو بھی عیسائی بنانا چاہتا تھا اس کے علاوہ اس کے تبلیغی طریقے بھی بہت شدید اور زوردار تھے۔

جزیرہ زیبو کا بادشاہ اور اس کی رعایا میجیلن کی دوست بن گئی تھی۔ اور بہت سے باشندوں نے ان اجنبی گوروں کا مذہب بھی اختیار کر لیا تھا لیکن پڑوس میں ایک جزیرہ مقتن بھی تھا۔ جس کے لوگ نہ گوروں کا دین اختیار کرنے پر رضامند تھے۔ نہ کسی گورے بادشاہ کی اطاعت کے لئے تیار تھے۔ میجیلن اپنے مسلح ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس جزیرے میں پہنچا۔ تاکہ بنوک شمشیر ان وحشیوں کو عیسائی بنا لے۔ اس پر ایک نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہسپانویوں نے شکست فاش کھائی۔ اور خود میجیلن بھی مارا گیا۔

اسقدر پر حوصلہ اور شاندار زندگی کا یہ انجام نہایت دردناک ہے میجیلن نے تمام پہلے ناخداؤں سے زیادہ طویل سفر کیا تھا۔ اور ہسپانیہ کی خاطر یورپ

سے بحر اوقیانوس وہاں سے بحر الکاہل اور پھر بحر الکاہل سے ایشیا تک کا رستہ دریافت کر لیا تھا۔ لیکن افسوس۔ کہ ایک لمحہ کے اندھا دھند جوش نے اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کی موت اس کے رفیقوں کے لئے بہت بڑی مصیبت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد جزیرہ زیبو کا بادشاہ بھی عیسائیت سے مرتد ہو گیا+ ایک دن اس بادشاہ نے ہسپانویوں کو ساحل پر ایک دعوت دی۔ اور جب وہ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ تو ایک دم اُن پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ ان میں سے بہت سے مارے گئے۔ اور جو بچ گئے وہ کسی نہ کسی طرح بورنیو پُہنچ گئے۔ ان کا ایک جہاز سفر کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ جلا دیا گیا۔ اور باقی دو جہاز جزائر مصالحہ (جن کو مولاکا بھی کہتے ہیں) کی طرف روانہ ہوئے+ آخر ۸۔ نومبر ۱۵۲۱ء کو وہاں پُہنچ گئے۔ اور جزیرہ ٹیڈور میں اُترے سال کے اواخر میں اُنہوں نے اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کی تلافی کے لئے بہت سی دولت جہازوں میں بھر لی۔ اور الگ الگ ہو کر گھر کو روانہ ہُوئے۔ ایک جہاز " وکٹوریا " راس امید کی طرف روانہ ہُوا۔ لیکن وہاں پر نہ پُہنچ سکا۔ بلکہ بحر اوقیانوس میں داخل ہو کر راس ورڈ کے جزائر میں پُہنچ گیا+

یہاں ایک اور مصیبت پیش آئی۔ جزیرے میں جو پرتگیز موجود تھے۔ وہ ہسپانویوں کی اس کامیابی پر حسد کی آگ میں جل مرے۔ اور اُنہوں نے ان کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ جو یہاں سے بچے۔

وہ ڈیل کانو کی سرکردگی میں ۶۔ستمبر ۱۵۲۲ء کو یعنی تقریباً تین سال بعد سپانیہ واپس پہنچ گئے *

جب یہ لوگ روانہ ہوئے تھے۔ تو ان کے جہاز پانچ تھے۔ اور آدمیوں کی تعداد اڑھائی سو تھی۔ لیکن جب واپس آئے۔ تو صرف ایک جہاز تھا۔ اور ۳۱۔آدمی۔ لیکن سب سے پہلے دُنیا کے گرد بحری سفر کرنے کا فخر انہی لوگوں کو حاصل ہے *

اِس کے پچاس سال بعد انگلستان کے مشہور ناخدا سر فرانسس ڈریک نے میجیلن کی پیروی کی۔ اور انگلستان سے روانہ ہو کر دُنیا بھر کا بحری چکّر لگایا *

The discovery of North Western America

شمالی مغربی امریکہ کی دریافت

ایک فرانسیسی لڑکا پیٹر ریڈیسن جب سولہ سال کا تھا۔ تو ایک دن شمالی امریکہ کے ایک قلعہ سے جو فرانسیسوں نے بنایا تھا۔ اور سینٹ لارنس دریا کے شمالی کنارے پر واقع تھا۔ اپنے دو نوعمر دوستوں کے ساتھ شکار کی غرض سے جنگل میں نکل گیا۔ وہاں کے اصلی باشندوں کے ایک گروہ نے اسے پکڑ لیا۔ اور اندرونِ مُلک میں لے جاکر قبیلہ موہاک میں شامل کر دیا + ریڈیسن کھُلے اور پُر فضا میدانوں کی آزاد زندگی سے خوب لطف اُٹھاتا رہا۔ لیکن مہذب دُنیا کا لڑکا وحشیوں میں کب تک رہتا + آخر ایک دِن جب اس کی قید کو دو سال گزُر چکے تھے۔ وہ وحشیوں کے قبیلے کو چھوڑ کر نکل بھاگا۔ وہ ایک دن اور ایک رات جنگل میں برابر بھاگتا رہا۔ آخر اورنیج میں ولندیزوں کی ایک چوکی پر پہنچ گیا۔ جہاں سے جہاز میں سوار ہو کر ہڈسن کے راستے سے نیویارک پہنچا۔ اور وہاں سے یُورپ چلا گیا + وہ ۱۶۵۳ء میں روشیل پہنچا لیکن وہاں سے بہت جلد ایک جہاز لے کر سینٹ لارنس کو واپس آگیا۔ اس وقت موہاک قبیلہ سے ایک اور قبیلہ "الگون کوئین" کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ریڈیسن نے الگون کوئین کی ایک جماعت کے ساتھ دریا کے اُوپر کی طرف سفر کیا۔ اور مئی ۱۶۵۴ء میں پھر قلعہ میں پہنچ گیا +

دو سال کی مدّت میں اس لڑکے نے اتنا تجربہ حاصل کیا تھا۔ کہ بعض انسان عمر بھر میں بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن ۱۶۵۶ء میں وہ چند فرانسیسوں کے ساتھ " اونن داگا " کی فرانسیسی نو آبادی میں چلا گیا۔ رستے میں جا بجا وحشیوں سے مقابلہ پڑا۔ اور اونن داگا پہنچکر بھی ان مسافروں کی مشکلات کم نہ ہوئیں۔ بلکہ ان میں اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ قبائل نے اپنی تمام طاقت جمع کر کے اس کا نام " اتحاد موہاک " رکھ دیا تھا۔ اور اس فرانسیسی نو آبادی کو بے نشان کر دینے کا تہیّہ کر لیا تھا۔ سینکڑوں وحشی اونن داگا کے چھوٹے سے قلعہ کے گرد جمع ہو کر اپنے نیزے ہلا رہے تھے۔ اور جنگی نعرے لگا رہے تھے۔ لیکن قلعہ میں گھُسنے کی جراَت نہ کرتے تھے۔ کیونکہ فرانسیسوں نے کیوبک میں چند موہاک بطور یرغمال روک رکھے تھے۔ اور ان وحشیوں کو اندیشہ تھا۔ کہ اگر ہم نے کسی کی جان لے لی۔ تو اس کے بدلے میں وہ یرغمال فی الفور قتل کر دیئے جائینگے۔ سارا موسم سرما اونن داگا کے محاصرہ ہی میں گزر گیا۔ آباد کاروں نے کیوبک میں طلبِ امداد کے لئے قاصد بھیجے۔ جو خوش قسمتی سے کیوبک تو پہنچ گئے۔ لیکن کیوبک سے اونن داگا کوئی نہ پہنچا۔ کیونکہ جس نے بھی گزرنے کی کوشش کی وہی گرفتار ہو گیا۔

غنیمت یہ ہوا۔ کہ جن موہاک نے ریڈیسن کو اپنا بیٹا بنایا تھا۔ وہ بھی محاصرہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس وجہ سے ریڈیسن کو موہاکوں میں آزادانہ چلنے پھرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ اس سے یورپینوں کو بہت سی باتیں معلوم

ہوتیں۔ سب سے زیادہ اہم اطلاع یہ تھی۔ کہ موہاکوں نے ارادہ کر لیا ہے۔ ایکدم قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ آدھے آدمیوں کو بطور یرغمال اپنے پاس قید میں رکھیں۔ اور جب تک کیوبک والے ان کے یرغمالوں کو رہا نہ کریں۔ یہ بھی ان آدھے آباد کاروں کو نہ چھوڑیں۔ جب قلعہ والوں کو یہ معلوم ہوا۔ تو وہ بے انتہا سرگرمی سے کام کرنے لگے۔ چوڑے پیندے کی بڑی بڑی کشتیاں خفیہ طور پر بنائی جانے لگیں۔ اور جب موہاکوں کو کچھ شبہ ہو گیا۔ تو قلعہ والوں نے اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس دوران میں موہاک اس امر کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ گورے دریا کے بہاؤ کے رُخ باہر نکلیں۔ اور موہاک اپنی کمین گاہوں سے نکلکر اُن کو کاٹ ڈالیں۔

ریڈیسن کو یہ سب حالات معلوم تھے۔ بلکہ اسے اور بھی بہت سی باتوں کی خبر تھی۔ اس نے وحشیوں میں زندگی بسر کر کے بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ موہاکوں کا ایک عقیدہ یہ تھا۔ کہ جتنی غذا سامنے آجائے وہ سب کی سب کھا لینی چاہیے۔ جو شخص اس میں سے چھوڑ دیگا اس پر دیوتا اپنا قہر و غضب نازل کرینگے۔ ریڈیسن نے موہاکوں کی اس وہم پرستی سے فائدہ اُٹھایا۔ ایک دن اس نے کہا۔ مجھے کسی نے خواب میں یہ بتایا ہے۔ کہ فرانسیسوں کو وحشی باشندوں کی ایک عظیم الشان دعوت کرنی چاہیے۔ یہ خبر وحشیوں میں مشہور کر دی گئی۔ اور دعوت کی ایک تاریخ قرار پا گئی۔ محاصرہ کرنے والے قبائل بہت مسرور تھے۔ اور انہیں اپنے دشمن کے ہاں کھانا

کھانے میں کوئی اعتراض نہ تھا +

آس پاس جتنے موہاک رہتے تھے۔ سب قلعہ کے باہر جمع ہو گئے۔ فرانسیسوں نے انہیں دو دن کے لئے اسی طرح قلعہ کے باہر مقیم رکھا۔ اور خود دعوت کی تیاریاں کرتے رہے۔ بعض تو قلعہ سے باہر آکر اپنے بہادر مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف رہے۔ تاکہ وہ قلعہ کے اندر جھانکنے اور اُچھلنے کودنے سے باز رہیں۔ بعض قلعہ کے اندر دعوت کے لئے جانوروں کو ذبح کر رہے تھے۔ اور جو باقی تھے۔ وہ تیار شدہ کشتیوں میں ذخائر اور سامان جنگ لاد رہے تھے +

جب تمام تیاریاں ہو چکیں۔ تو ایک بہت بڑا الاؤ جلایا گیا۔ اور قلعہ کے اندر جتنے آلات موسیقی تھے۔ وہ سب اس زور شور سے بجائے گئے۔ کہ آس پاس کے جنگل گونج اُٹھے۔ قلعہ کے بیرونی احاطے کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور صدہا موہاک اندر گھس آئے + دعوت کے دوران میں وحشی بہادروں کی ضرورتوں کا پُورا خیال رکھا۔ وہ وحشی اسقدر جلد کھانا کھاتے تھے۔ کہ فرانسیسی اسقدر سرعت کے ساتھ اور کھانا رکابیوں میں بھی نہ ڈال سکتے تھے۔ یہاں تک کہ وحشی ناکوں ناک بھر گئے۔ اور ان سب پر غنودگی طاری ہو گئی +

قلعہ کے بیرونی احاطے میں وحشی جمع تھے۔ ریڈیسن نے سوچا۔ کہ جب یہ لوگ بیدار ہونگے۔ تو قلعہ کے اندر داخل ہونے کے لئے گھنٹی کی رسّی

کھینچیں گے۔ چنانچہ ریڈیسن نے اس رسّی سے ایک زندہ خنزیر باندھ دیا تاکہ جب باہر سے رسّی کھینچی جائے۔ تو خنزیر اِدھر اُدھر بھاگے۔ اور وحشی یہ سمجھیں۔ کہ قلعہ کا سنتری پھر پھر کر پہرہ دے رہا ہے۔ قلعہ کے اندر جا بجا انسانوں کے پُتلے سے بنا کر کھڑے کر دیئے گئے۔ تاکہ اگر وحشیوں کے جاسوس اندرونی فصیل پر چڑھیں۔ تو اُنہیں یہ معلوم ہو۔ کہ فرانسیسی قلعہ میں موجود ہیں۔ اور ہوشیار بھی ہیں +

کشتیاں دریا میں اُتار دی گئیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مقررہ مقام پر متعین ہوگیا۔ اور رات کی خاموشی میں فرانسیسیوں کی یہ چھوٹی سی جماعت دریا کے بہاؤ پر چلتی رہی۔ کبھی کبھی آبشار آ جاتے تو انہیں اپنا اسباب اُٹھا اُٹھا کر آگے پہنچانا پڑتا تھا۔ کہیں کہیں دریا پر اور جھیل اونٹاریو میں برف کے تودے آ جاتے۔ تو انہیں توقف بھی کرنا پڑتا۔ آخر یہ جفاکش اور مستقل مزاج فرانسیسی ریڈیسن کی دانشمندانہ تدبیر کی وجہ سے بخیر و عافیت مونٹریل اور وہاں سے کیوبک پہنچ گئے +

ریڈیسن کے یہ حالات بہت دلچسپ ہیں۔ لیکن شاید تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ ذکر تو نئی زمینیں دریافت کرنے کا تھا۔ ریڈیسن کے حالات میں کونسی دریافت پوشیدہ ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ اسی واقعہ نے ریڈیسن کے دل میں دریافت کی جرأت پیدا کی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ اُس غیر معلوم سرزمین کو معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جو دریائے سالٹ

کے پار واقع تھی + یہ مہم مونٹیریل سے روانہ ہوئی۔ اس میں الگون کوئین قبیلے کے بہت سے آدمی۔ تیس فرانسیسی اور دو پادری شامل تھے۔ ایک نوجوان گروسیلرز نامی بھی ساتھ ہوگیا۔ یہ ریڈیسن کا ایک قریبی رشتہ دار تھا۔ اور اس سے پیشتر ایک ناکام سفر میں شریک رہ چکا تھا +

ابھی اس جماعت کو روانہ ہوئے تین ہی دن گزرے تھے۔ کہ موہاکوں نے اسے جنگل میں آلیا۔ ان کا حملہ اسقدر جانسوز تھا۔ کہ فرانسیسوں کے ہوش اُڑ گئے۔ اور وہ سب کے سب مونٹریل واپس آگئے۔ صرف ریڈیسن اور گروسیلرز باقی رہ گئے۔ جنھوں نے الگون کوئین قبیلے کے آدمیوں کو ساتھ لیا۔ اور نہایت چوکنّے رہ کر دریا کے رستے کوئی ایک ہزار میل کا سفر کرڈالا۔ یہانتک کہ وہ جھیل نپیسنگ اور وہاں سے جھیل ہیورن تک پہنچ گئے۔ یہ سفر آسان نہ تھا۔ کیونکہ ایک تو بہاؤ کے خلاف چلنا پڑتا تھا۔ اور اس کے علاوہ جہاں جہاں خوفناک گرداب پڑتے تھے۔ وہاں سے کشتی کو بچالیجانا بہت بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ کھانے کو بہت کم ملتا تھا اگرچہ آس پاس کے جنگلوں میں جانوروں کی کمی نہ تھی۔ لیکن چونکہ آس پاس موہاک موجود تھے۔ اس لئے جنگل میں شکار پر گولی چلانا اپنی موت کو خود بُلانے کے برابر تھا۔

یہ لوگ جھیل ہیورن سے خلیج گرین میں اور وہاں سے جھیل مچگین میں پہنچ گئے۔ اب یہاں سے سفر کے بڑے بڑے واقعات کا سلسلہ شروع ہونا

ہے۔ ان کے سامنے مغرب کا عظیم الشان علاقہ پڑا تھا۔ ان کے گرد ایسے قبائل رہتے تھے۔ جن کا کچھ حال انہیں معلوم نہ تھا۔ وہ صرف موہاکوں کو جانتے تھے۔ اور وہی ان کے جانی دشمن ہو رہے تھے۔ آخر ریڈیسن نے موہاکوں کے خلاف سخت تدابیر اختیار کرنی شروع کیں۔ ایک دن وہ اچانک ان وحشیوں پر جا پڑا۔ اور انہیں تہس نہس کر کے فتحیاب واپس آیا۔ اس کارنامے سے اس کے وحشی دوستوں میں فرانسیسوں کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

یہ ۱۶۵۸ء کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد ۱۶۵۹ء کے اوائل میں ریڈیسن اور گروسیلرز مغرب میں دریائے مسیسپی کے بالائی حصے تک پہنچ گئے۔ جہاں اب تک کوئی سفید رنگ انسان نہ پہنچا تھا۔ وہاں سے وہ مسوری تک اکیلے گئے۔ کیونکہ خطرات اسقدر تھے۔ کہ کوئی وحشی ان کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے جنوب سے شمال و مشرق کو جھیل سپیریر تک چکر لگایا۔ اور اس کے بعد وہاں تک پہنچ گئے۔ جہاں آجکل ضلع مینسوٹا واقع ہے۔ اس کام میں کئی مہینے صرف ہوئے۔ اور دوران سفر میں کریز۔ مسکوٹنز اور بعض دوسرے قبائل سے سابقہ پڑا۔ جن میں سے زیادہ تر تو ان کے دوست بن گئے اور بعض کو انہوں نے مخالف قبائل کی مدد سے زیر کر لیا۔

آیندہ موسم سرما میں یہ فرانسیسی اور بعض وحشی باشندے حتی الامکان شمال مغرب کی طرف بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہانتک کہ موسم بہار آ گیا۔ برف پگھلنے لگی۔ اور ان لوگوں کو بحر شمالی (خلیج ہڈسن) تک پہنچنے کی خواہش ترک کرنی

پڑی۔ وحشیوں نے نئی کشتیاں تیار کیں۔ اور ریڈیسن اور گروسیلرز ان میں سوار ہوکر پھر مچگن کی خلیج گرین میں اور اس کے بعد اپنے صدر مقام پر پہنچ گئے۔ لیکن رستے میں بعض اوقات ایسے ایسے خطرے پیش آتے رہے۔ کہ بس جان ہی کے لالے پڑ جاتے تھے۔

جب ان دونوں بہادروں نے یہ کارنامہ دکھایا۔ اور بحر شمالی کا برّی رستہ بھی دریافت کیا۔ تو ان کے ہموطن حسد کی آگ سے جلنے لگے۔ چنانچہ جب اُنہوں نے شمال کو جانے کا ارادہ کر کے فرانسیسی نوآبادی کے گورنر سے تجارت کا لائسنس طلب کیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ "دوسری پابندیوں کے علاوہ اگر تم لوگ یہ وعدہ بھی کرو۔ کہ تجارت کے منافع میں سے نصف مجھے دوگے۔ تو میں لائسنس دیئے دیتا ہوں۔ ورنہ نہیں" ریڈیسن اور اس کے رفیق نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گورنر نے ان دونوں کو نوآبادی کے اندر نظر بند کر دیا۔ اور وہاں سے باہر جانے کی ممانعت کر دی۔

اگرچہ لائسنس کے بغیر سمّور کی تجارت کے لئے اندرونِ ملک میں جانا جرم تھا۔ اور اس جرم کی سزا قید اور پھانسی تک مقرر تھی۔ لیکن اس کے باوجود ریڈیسن۔ گروسیلرز اور ایک اور دوست لیوریر نے جانے کا عزم کر لیا۔ ایک دن اگست کے مہینے کی اندھیری رات تھی۔ کہ یہ تینوں چھپ چھپا کر قلعہ سے نکلے۔ اور ایک ہلکی سی ناؤ میں سوار ہوکر دریا کے اُوپر کی طرف چلے۔ جہاں بعض وحشی دوست ان کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ راتوں رات مونٹریل

کے پاس سے گزر گئے۔ اور چند موقعوں پر موہاکوں کی مخالفت سے بال بال بچے۔ ایک مقام پر تو ان کے وحشی دوستوں پر اسقدر خوف طاری ہوا۔ کہ وُہ اپنی کشتیاں اُٹھائے ہُوئے جنگل میں جا گھُسے۔ غریب لیوربر پیچھے رہ گیا۔ اور کوئی دو ہفتے کے بعد بعض فرانسیسی شکاری اسے اُٹھا کر لے گئے۔ کیونکہ وُہ بھُوک پیاس کی شدت سے جاں بلب ہو رہا تھا۔

اس کے بعد یہ لوگ ایک بڑا چکّر کاٹ کر موہاکوں سے بچتے بچاتے پھر دریا کے اُوپر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور تھوڑی مُدّت کے بعد بالائی علاقے کے کچھ اور وحشی بھی اُن سے آملے۔ اس وقت اس جماعت کے پاس ریڈیسن کی ناؤ کے علاوہ چودہ کشتیاں تھیں۔ کچھ دن بعد کا ذکر ہے۔ کہ ایک دن یہ لوگ اپنا سامان ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ کشتیوں میں رکھ رہے تھے کہ موہاکوں نے پاس ہی کی ایک کمین گاہ سے نکل کر اُن پر چھاپا مارا۔ موہاکوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور یہ ملّاح برابر شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ گو اس لڑائی میں ریڈیسن کا صرف ایک آدمی کام آیا۔ لیکن اس کے باوجود ریڈیسن نے پُورا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے امید تھی کہ اگر ایک زور کا حملہ کر دیا گیا۔ تو وحشی خوفزدہ ہو جائینگے۔ اور پھر اس جماعت کا تعاقب نہ کرینگے۔ چنانچہ جب رات ہو گئی۔ تو ریڈیسن کے ساتھیوں نے اپنی کشتیاں کنارے پر باندھ دیں۔ اور خود نہایت سرعت کے ساتھ جنگل میں سے ہوتے ہُوئے موہاکوں کے قلعہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ وہاں پُہنچکر اُنہوں نے بارود کا ایک

پیپا فلیتہ لگاکر قلعہ کے اندر پھینک دیا۔ بارود کے اُڑنے سے بڑے زور کا دھماکا ہُوا۔ اور فی الفور دشمن کے توپخانے نے اس کا جواب دیا۔ ریڈبین کے تین آدمی ہلاک ہو گئے۔ لیکن خود ریڈبین نے صنوبر کے پیڑ کا ایک تنا بارود سے بھر کر اُٹھایا۔ اور اندھیرے میں سے آگے بڑھ کر قلعہ کو آگ لگا دی۔ اِس کے تمام ساتھی جنگی نعرے لگاتے ہُوئے اس کے پیچھے پیچھے موجود تھے۔ دورانِ پیکار میں دفعتہً ایک طوفان آگیا۔ جس سے قلعہ کی آگ بجھ گئی۔ اور اس شور و شغب کے درمیان بچے کھچے موہاک اپنی جانیں لیکر جنگل کو بھاگ گئے +

اس کے بعد ریڈبین نے تین دن اور چار راتیں نہایت سرعت سے کام لیا۔ کبھی اس کے ساتھی زور شور سے کشتیاں چلانے لگتے۔ کبھی رکاوٹوں اور گردابوں میں سے گزرنے کے لئے اپنا اسباب ڈھوتے۔ غرض جھیل پنیسنگ تک پہنچنے سے پہلے انہوں نے آگ تک جلانے میں بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ لیکن جب اس جھیل تک پہنچے۔ تو اسقدر تھکے ہوئے تھے۔ کہ کافی دیر تک آرام کئے بغیر آگے بڑھنے کی ہمّت نہ پڑتی تھی +

یہ واقعات ستمبر کے مہینے میں ہوئے۔ اکتوبر تک یہ لوگ جھیل سپیریر تک پہنچ چکے تھے۔ وہ پہلے اس کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد مغربی اور شمالی کنارے کی دیکھ بھال کی۔ یہاں وہ اُتر پڑے اور شمال مغرب کی طرف قبیلہ کری کے ڈیروں کی طرف گئے۔ جہاں کے وحشیوں نے اُن سے دوستی کا ثبوت دیا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ انہیں شمال مغرب کی طرف

اسینی بائیننز کی سرزمین تک پہنچنے میں مدد دینگے + اب مشکل یہ آن پڑی - کہ کہرا بے اندازہ پڑنے لگا - دریا جہازرانی کے قابل نہ رہے - اور زمین کا سفر تو ممکن ہی نہ تھا - ریڈیسن نے کری قبیلے کے لوگوں سے کہا - کہ تم اپنے گھروں کو جاکر کچھ غلام اپنے ساتھ لاؤ - تاکہ وہ اشیائے تجارت کو اُٹھا کر لے چلیں اہلِ قبیلہ تو اُدھر روانہ ہو گئے - اور ریڈیسن اور گروسیلرز ان وسیع ویرانوں میں اکیلے رہ گئے +

ان دو فرانسیسوں نے ایک دریا کے کنارے پر سمور کی تجارت کا پہلا مرکز بنایا - درخت کاٹے - اُن کے شہتیر بنائے - اپنا قلعہ تعمیر کیا - درختوں کی ٹہنیوں سے اس کی چھت پاٹ دی - سیدھی سادی میزیں کرسیاں بنائیں دشمنوں سے حفاظت کے لئے خفیہ زنجیریں لٹکائیں - جن میں گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں - اور اس کے بعد قبیلہ کری کے آدمیوں کا انتظار کرنے لگے - رات کے وقت اس قلعہ میں پہرے کی گھنٹیاں بجتی رہتیں - اور دن کو وحشی آکر ان گوروں کو تعجب کی نظروں سے دیکھتے تھے - جنھوں نے اس ویرانے میں گھر بنا رکھا تھا +

آخر کار کری قبیلے کے بہت سے آدمی پہنچ گئے - اور ان گوروں کو شمال مغرب کے دُور دراز علاقوں میں لے جانے لگے - کئی دنوں تک زمین اور دریا کا سفر کرنے کے بعد یہ لوگ کری قبیلے کے گھروں تک پہنچ گئے - جہاں ریڈیسن اور اس کے ساتھیوں نے جاڑے کا مصیبت ناک موسم بسر کیا + یہ جاڑے

کا موسم نہ تھا۔ بلکہ موت کا موسم تھا۔ کری قبیلے کے لوگوں کو بھوک نے جاں بلب کر رکھا تھا۔ چنانچہ بہار کے آنے سے پہلے پہلے ان میں سے سینکڑوں جاں بحق ہو گئے۔ آخر جب بہار کے موسم نے دریاؤں کو برف سے آزاد کیا۔ اور شکار کے جانور بھی جنگلوں میں واپس آئے۔ تو کسی قدر اطمینان کا زمانہ آیا۔ لیکن اس وقت بھی غذا کافی نہ ملتی تھی۔ چنانچہ ایک دن جب سیوکس قبیلے کے دو وحشیوں نے ریڈیسن کو اپنے مکان میں دعوت دی۔ تو ریڈیسن کری قبیلے کے آدمیوں کی خوراک کے لئے سیوکس والوں کا ایک کُتّا چُرا لایا۔ جب سیوکس والوں نے گوروں اور ان کے دوستوں کی خراب حالت سُنی۔ تو ان کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں۔ اور فرانسیسیوں اور سیوکس کے قبیلے کے درمیان دوستی کا عہد قائم ہو گیا۔ ریڈیسن اور گروسیلرز سیوکس قوم کے علاقے میں گئے۔ جو مسیسپی دریا کے مغرب میں واقع تھا۔ وہاں سے پھر اپنے قلعہ میں آئے۔ اس کے بعد شمال کی طرف کری قبیلے کے اڈّے میں پہنچے۔ اس قبیلے کے لوگ شمالی خلیج کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جو ریڈیسن کی آخری منزل مقصود تھی۔

ریڈیسن اور گروسیلرز دونوں اس سفر میں پوستینوں سے لدے ہُوئے اپنی برفانی گاڑیاں کھینچتے اکیلے ہی روانہ ہو گئے۔ گروسیلرز ریڈیسن سے بڑا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی گاڑی ریڈیسن کے لئے چھوڑ دی۔ کبھی کبھی جھیل کی سطح پر سے برف کا تختہ ٹوٹ جاتا۔ اور وہ ٹھنڈے پانی میں جا پڑتے۔ ایک دفعہ کنارے سے بارہ میل دُور یہی حادثہ پیش آیا۔ اور جب ریڈیسن

جوں توں کر کے پانی سے نکلا۔ تو اس کے اعصاب اسقدر سُن ہو گئے تھے۔ کہ وہ آگے بڑھنے کے قطعاً ناقابل ہوگیا۔ گروسیلرز نے اسے دو برفانی گاڑیوں کے درمیان لٹا کر اس پر ایک پوستین ڈال دی۔ اور خود کری قبیلے کے آدمیوں کو مدد کے لئے بُلانے کو پُوری رفتار سے بھاگا۔ جب وحشی آئے۔ تو ریڈیسن کی حالت بہت قابلِ رحم ہو رہی تھی۔ اور وہ ایک ہفتے سے زیادہ مُدّت تک نہایت شدید درد میں مبتلا رہا۔ لیکن اس کے بعد جب کری قبیلے والے خلیج کی تلاش میں شمال کو چلے۔ تو بہادر ریڈیسن نے پھر کمر ہمّت باندھ لی۔ اور ان کے ساتھ چل دیا۔ لیکن دو دِن کے کوچ کے بعد وہ پھر ہلنے جُلنے کے ناقابل ہوگیا۔

قبیلہ کری کے لوگ شمال کا عزم کئے ہوئے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے ریڈیسن کو رستے ہی میں چھوڑ دیا۔ اسے کچھ کھانے پینے کو تو دے گئے۔ لیکن ریڈیسن کے پاس اپنی حفاظت کے لئے نہ کوئی بندوق تھی۔ نہ کلہاڑی تھی۔ اس نے کچھ دیر آرام کیا۔ اور اس کے بعد پھر اپنے ساتھیوں کے کھوج پر چل دیا۔ کوئی پانچ دن کا سفر طے ہُوا ہوگا۔ کہ اسے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ جو بالکل خالی پڑی تھی۔ وہاں پُہنچکر اس نے آگ جلائی۔ تاکہ جنگلی جانور دُور دُور رہیں۔ اور خود مزے سے سو رہا۔ رات کو جھونپڑی میں آگ لگ گئی۔ ریڈیسن جوں توں کر کے بچ تو نکلا۔ لیکن رات کا وقت۔ سنسان برفانی علاقہ۔ ریڈیسن تھکا ہُوا تھا۔ بھُوکا تھا۔ اور اس کے پاس کپڑے بھی کافی نہ تھے۔ خدا جانے

وہ اس مصیبت میں کیونکر زندہ رہا۔ چاروں طرف سے بھیڑیوں کی خوفناک آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ اور ریڈیسن کا دم فنا ہو رہا تھا۔ لیکن جب صبح کا سپیدہ نمودار ہُوا۔ تو ریڈیسن کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہُوئی۔ کہ گروسیلرز نے اس کی تلاش کے لئے چند وحشی بھیج رکھے ہیں۔ اور بھیڑیوں کی سی آوازیں انہی نے نکالی تھیں ٭

تھوڑی دیر میں وہ کری قبیلے کے ایک ڈیرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اسے معلوم ہُوا۔ کہ وہ لوگ بھی شمالی خلیج ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی انہی کے ساتھ ہو لیا۔ اور نہایت خطرناک سفر کرنے کے بعد "ایک گہری خلیج" تک پہنچ گیا ٭

یہ وہی شمالی خلیج تھی۔ جسے ریڈیسن مدت سے اپنی منزل مقصود قرار دیئے ہُوئے تھا۔ اور جسے آخر کار اُس نے پا لیا تھا۔ وہ پہلا یورپین تھا۔ جو بّری رستے سے شمالی خلیج تک پہنچا تھا۔ اس نے سردی کا موسم خلیج ہی میں گزارا۔ اور ۱۶۶۳ء کے موسم بہار میں صدہا وحشیوں اور بے شمار پوستینوں کا ذخیرہ ساتھ لئے مونٹریل پہنچ گیا ٭

جب وہ کیوبک پہنچا۔ تو گورنر کے غصّے کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک پہنچا ہُوا تھا۔ وہ ایک تو ریڈیسن کی کامیابی سے جل گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس کے بعض منظور نظر آدمیوں کو اسی سفر میں جو ناکامی ہُوئی تھی۔ اس نے اس کو چڑچڑا کر رکھا تھا۔ اس نے ریڈیسن اور گروسیلرز پر بلا اجازت سفر کرنے کے

جرم میں پچاس ہزار ڈالر جرمانہ کیا۔ ستّر ہزار ڈالر ٹکس وصول کرلیا۔ اور جفاکش تاجروں کے حصّے میں صرف بیس ہزار ڈالر آئے +

ان مظلوں نے حکومت فرانس سے دادخواہی کی لیکن کوئی شنوائی نہ ہُوئی + آخر اُنہوں نے فرانس سے قطع تعلق کرکے انگلستان سے رشتہ جوڑا۔ اوران کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہُوا۔ کہ ۱۶۷۰ء میں "خلیج ہڈسن کمپنی" کی بُنیاد رکھی گئی۔ گروسیلرز نے خلیج میں پہلی چوکی بنائی۔ اور ریڈیسن نے دوسری تعمیر کی۔ لیکن ریڈیسن کے ساتھ انگریزوں نے بھی کچھ اچھا سلوک نہ کیا۔ اس لئے وہ پھر فرانس واپس آگیا۔ اور "خلیج ہڈسن کمپنی" کی مخالفت کرنے لگا۔ لیکن فرانسیسوں نے پھر اس سے بدسلوکی کی۔ اور ریڈیسن پھر انگلستان سے جا ملا۔ چونکہ اسے وحشی باشندوں میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ اس لئے اس نے کمپنی کی بہت سی مشکلات رفع کرنے میں انتہائی خدمت انجام دی +

اگرچہ ریڈیسن آخر میں غریب و نادار مرگیا۔ لیکن اس سے زیادہ دولتمند کون ہے۔ جس کا نام اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہے۔ اور ایک دُنیا اس کے احسانات کی شکرگزار ہو +

The discovery of Australia

آسٹریلیا کی دریافت

یورپ میں سیر و سیاحت اور نئی نئی سرزمینوں کی دریافت کا شوق زیادہ تر پرتگیزوں اور ہسپانویوں کو تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہزارہا میل تک بے نشان سمندروں میں سفر کر کے دنیا جہان پر اپنی اولوالعزمی کا سکّہ بٹھا دیا۔ لیکن اتّفاق کی بات ہے۔ کہ آسٹریلیا کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ حالانکہ دوران سفر میں یہ عجیب و غریب ملک انہیں نظر آ چکا تھا۔ ۱۵۲۲ء میں چند پرتگیز ملاح آسٹریلیا کے مغربی ساحل کے پاس سے گزرے لیکن چونکہ ہر طرف خشک اور بیرنگ چٹانیں نظر آئیں۔ اس لئے وہاں اترے تک نہیں۔ اور بیزار ہو کر چل دیتے۔ کچھ مدّت بعد چند ولندیز ملاح بھی ادھر سے گزرے۔ اور آسٹریلیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ بغرضِ معائنہ سفر کرنے لگے۔ لیکن کوئی اچھا مقام نظر نہ آیا۔ بہرحال انہوں نے اس جزیرے کا نام اپنے ملک کے نام پر "نیو ہالینڈ" رکھ دیا۔ اور چلے گئے۔

ولیم ڈمپیر پہلا انگریز تھا۔ جس نے آسٹریلیا کی خاک پر قدم رکھا۔ یہ ایک بحری قزّاق تھا۔ لوگوں کے جہازوں کو روک کر ان کا مال اسباب چھین لیا کرتا تھا۔ لیکن جب ۱۶۹۹ء وہ آسٹریلیا کی طرف روانہ ہونے لگا۔ تو اس نے قزّاقی ترک کر رکھی تھی۔ اور جہاز پر ایک ناخدا کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی

تھی۔ کیونکہ وہ طبعاً آفاقی کی نسبت چاکری کے فرائض بہتر انجام دے سکتا تھا۔
اس نے ایک تو آسٹریلیا کے تین اطراف کا چکر لگایا۔ اور دوسرا کام یہ کیا۔ کہ
ایک شخص الگزنڈر سلکرک کو جو ایک زمانے سے جزیرے میں تنہائی کی زندگی
گزار رہا تھا۔ اس مصیبت سے نجات دلاکر پھر دنیا ئے تہذیب میں لے آیا۔
لیکن آسٹریلیا کے متعلق ڈمپیئر نے بھی کوئی اچھی رائے قائم نہ کی۔ اس ملک میں
کوئی دریا نظر نہ آتا تھا۔ چاروں طرف خوفناک اور خشک چٹانیں تھیں۔ اس
کے باشندے عجیب و غریب بولی میں بات چیت کرتے تھے۔ اور بالکل ننگے
رہتے تھے۔ اس ملک کے جانور بھی دوسرے ملکوں سے بالکل جداگانہ تھے۔
غرض کوئی شخص یہ خیال نہ کر سکتا تھا۔ کہ اس ملک میں یورپ کے لوگ سکونت
اختیار کر سکتے ہیں۔

آخر ۱۷۷۰ء کا ذکر ہے۔ کہ انگلستان کے ایک کسان کا لڑکا جیمز کک جو
گھر سے بھاگ کر جہاز پر ملازم ہو گیا تھا۔ اور نہایت بے نظیر بہادری اور
محنت کی وجہ سے بحری فوج کا لفٹنٹ بن گیا تھا۔ ایک بہت لمبے بحری سفر
پر روانہ ہوا۔ اور جب واپس آنے لگا۔ تو نیوزی لینڈ کے سارے ساحل پر چکر
لگاتا ہوا آیا۔ اس کے بعد وہ غیر معلوم سمندر میں سفر کرنے لگا۔ اور تھوڑی مدت
کے بعد آسٹریلیا کے مشرقی ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ وہاں اس نے کیا دیکھا۔ کہ خوفناک
چٹانوں اور بنجر زمینوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ بلکہ سارا علاقہ سبزے اور
پھولوں سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ کک نے سارے مشرقی ساحل کا چکر لگایا۔

جس کی شادابی کو دیکھ کر اُسے اپنا وطن یاد آگیا۔ چنانچہ اس نے اِس کا نام "نیو ساؤتھ ویلز" رکھا۔ اور انگلستان کے نام سے اس پر قبضہ کرلیا +

جب حکومت برطانیہ کو معلوم ہُوا۔ کہ آسٹریلیا گورے آدمیوں کے رہنے کے قابل ہے۔ تو اس نے لمبی سزا کے قیدیوں کو وہاں بھیجنا شروع کردیا جس طرح ہندوستان کے بعض قیدی کالے پانی بھیجے جاتے ہیں۔ یہ قیدی خلیج بوٹانی میں رہنے لگے۔ جہاں بعد میں سڈنی کا شہر آباد ہُوا۔ ان لوگوں کو وہاں کھانے کی کوئی چیز نہ ملتی تھی۔ اس لئے ہمیشہ انگلستان سے اشیائے خوردنی کے جہاز کے جہاز وہاں پہنچتے رہتے تھے۔ بیس سال تک یہی حالت رہی۔ اور بعض اوقات ایسا زمانہ بھی آیا۔ کہ انگلستان سے کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے میں دیر لگ گئی اور یہ سب لوگ بھوکے مرنے لگے + ان کی پشت پر پہاڑوں کا ایک سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ اور یہ لوگ ساحل کے پاس رہتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے کبھی کوشش نہ کی۔ کہ پہاڑ کو عبور کر کے دوسری طرف جائیں۔ اور اچھی سی زمین تلاش کر کے اپنا اور اپنے جانوروں کا پیٹ پالیں + آخر پچیس سال بعد تین آدمی وینٹ ورتھ بلیکس لینڈ۔ اور لاسن زندگی سے تنگ آکر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مدت سے بارش نہ ہُوئی تھی۔ اور ان کے مویشی بھوک سے بیتاب ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے یہ سوچا۔ کہ مایوسی میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا مردوں کا کام نہیں۔ اگر موت ہی قسمت میں لکھی ہے۔ تو کوشش ہی کرتے ہوئے کیوں نہ مریں۔ پہاڑ کوئی چار ہزار فٹ بلند تھے۔ اور ان میں نہایت خوفناک اور

گہرے کھڈ بھی تھے۔ لیکن وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر جوں توں ان پر چڑھ گئے۔ اور چوٹی پر پہنچکر دوسری طرف جو نظر ڈالی۔ تو دیکھا۔ کہ ہر طرف نہایت شاندار اور سرسبز چراگاہیں موجود ہیں۔ اور ایک دریا نہایت زور شور سے لہریں لیتا ہؤا بہ رہا ہے۔ بس اس دن سے آسٹریلیا کے اندرونی حصّے کی تحقیقات اور سیاحت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور انگلستان سے دھڑا دھڑ لوگ آسٹریلیا پہنچنے لگے۔ ایک دانشمند گورنر نے اس پہاڑ میں سڑکیں بنا دیں۔ تاکہ دوسری طرف جانا آسان ہو جاتے +

اسی زمانے میں ایک شخص میتھیو فلنڈرز اور اس کا ایک دوست باس دونوں ساحل کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور ساحل پر چکّر لگاکر معلوم کیا۔ کہ تسمانیا آسٹریلیا کا حصّہ نہیں۔ بلکہ خود ایک جزیرہ ہے + اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی پتہ چلایا۔ کہ آسٹریلیا بھی جزیرہ ہے۔ اور دُنیا بھر میں اتنا بڑا جزیرہ کوئی نہیں + ان دونوں نے آہستہ آہستہ سارے آسٹریلیا کے گرد چکّر لگا لیا۔ اور اس مُلک کا نہایت مکمل اور صحیح نقشہ تیار کر لیا۔ آخر جب فلنڈرز وطن کو واپس جا رہا تھا۔ تو رستے میں اسے فرانسیسوں نے پکڑ لیا۔ اس کے نقشے چھین کر شائع کر دیئے۔ اور دُنیا کو یہ بتایا۔ کہ یہ تحقیقات فرانسیسوں نے کی ہے۔ فلنڈرز سات سال تک فرانسیسوں کی قید میں رہکر انگلستان واپس آیا +

جو لوگ آسٹریلیا کے اندرونی حصّے کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔

انہیں بڑی بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس مُلک کے وحشی باشندے سیاحوں پر نہایت جانسوز حملے کرتے تھے۔ اور گھاس اور دوسرے ذخائر کو آگ لگا دیتے تھے۔ تاکہ سیّاحوں کے گھوڑے بھی بھُوکے مر جائیں ہر طرف پتھریلی زمین کے لق و دق میدان تھے۔ جن میں پانی کا نام و نشان نظر نہ آتا تھا+ آسٹریلیا کا رقبہ تقریباً تیس لاکھ مربع میل ہے۔ سیاح خیال کرتے تھے کہ اتنی وسعت رکھنے والے مُلک میں دریا اور جھیلیں ضرور ہونگی۔ بلکہ بعض کا خیال تو یہ تھا۔ کہ بحیرہ روم کی طرح کوئی اندرونی سمندر بھی ہوگا+ ایک شخص لفٹنٹ آکسلی نے کئی دفعہ سفر کیا۔ ایک دفعہ کوئی آٹھ سو میل کا دھاوا بھی کیا لیکن وہ سمندر کہیں نظر نہ آیا۔ اسی لفٹنٹ کا ایک دوست کننگھم بھی سفر پر روانہ ہُوّا۔ اور اس نے ایک دریا کا پتہ بھی چلا لیا۔ لیکن وحشیوں نے اس کو مار ڈالا۔ اور اس کی تحقیقات پُورا فایدہ نہ پہنچا سکی +

اس کے بعد ایک شخص کپتان چارلس سٹرٹ روانہ ہُوّا۔ اس کے ساتھ بہت سے قیدی تھے لیکن اُن سب نے بے شمار تکالیف کے باوجود کپتان کا نہایت وفاداری سے ساتھ دیا۔ گرمی اسقدر شدید تھی کہ لوہے کے جو پیچ صندوقوں کو یکجا رکھنے کے لئے لگائے گئے تھے ڈھیلے ہو کر گر پڑے۔ کپتان کی کنگھی کا ایک ایک دندانہ الگ ہو گیا۔ پنسل کا سیسہ پگھل کر نکل آیا۔ اور اس کے ناخن اسقدر جھلس گئے۔ کہ شیشے کے ٹکڑوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود یہ شیر دل سیّاح اور اس کے رفیق بڑھتے

ہی چلے گئے + آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کسی سال تو اسقدر شدید بارش ہوتی ہے۔ کہ تمام گڑھے۔ دریا۔ دلدلیں۔ جھیلیں۔ تالاب بھر جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسی خشک سالی آتی ہے۔ کہ وہ تمام دلدلیں اور جھیلیں صحرائے اعظم کا نمونہ بن جاتی ہیں + کپتان سٹرٹ نے اسی زمانے میں آسٹریلیا کی سیاحت کی ہے۔ لیکن بہرحال اس نے ایک بہت بڑا دریا ضرور دریافت کر لیا۔ جس کا نام ڈارلنگ رکھا۔ اس اولوالعزم انسان نے کوئی دو ہزار میل کا سفر طے کیا۔ اور اسقدر شدید مصیبتیں اُٹھائیں۔ کہ آخر میں اندھا ہو گیا +

اس کپتان کا ایک نہایت وفادار دوست جان میکڈانل سٹوارٹ تھا۔ پہلے تو وہ کپتان کے ساتھ رہا۔ لیکن اس کے بعد خود بھی تین بہت بڑے بڑے سفر کئے + اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ اس نے آسٹریلیا کے جنوبی ساحل سے سفر شروع کیا۔ اور شمالی کنارے پر جا پہنچا۔ اس کا یہ سفر بہت ہی مفید ثابت ہُوا۔ اور بعد میں جب تار برقی کا سلسلہ آسٹریلیا میں قائم کیا گیا۔ تو اسی رستے پر چل کر تار کے کھمبے گاڑے گئے۔ سٹوارٹ اور اس کے ساتھیوں نے پیاس کی تکلیف بے انتہا اُٹھائی۔ ایک دفعہ انہیں کیا دکھائی دیا کہ بعض دشوار گزار چٹانوں کے دامن میں ایک دریا بہ رہا ہے۔ بیتاب ہو کر نیچے اُترے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ اس دریا کا پانی سمندر سے بھی زیادہ کھاری ہے۔ بعض گھوڑے پیاس کی شدت سے دیوانے ہو گئے۔ اور ایک نے تو سٹوارٹ کو قریب مار ہی ڈالا تھا۔ دوسرے

نے بھی اس کو اپنی ٹاپ سے روند دیا۔ اور اس کے ایک بازو کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔ لیکن وہ بہادر اس قدر دھن کا پکّا تھا۔ کہ برابر چلتا ہی چلا گیا۔ کئی دفعہ وحشیوں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ لیکن خدا نے اسے ہمیشہ بچایا۔ اور آخر کار وہ آسٹریلیا کے شمالی ساحل پر پہنچ ہی گیا +

اسی زمانے میں ایڈورڈ جان ایر نے بھی سیاحت شروع کر دی جس کی تفصیل آیندہ بیان میں لکھی گئی ہے +

۱۸۵

آسٹریلیا کی خلیج کے ساتھ کا علاقہ

ایڈورڈ جان ایر نے آسٹریلیا کے اندرونی علاقے میں سب سے زیادہ سفر کیا ہے۔ یہ شخص سولہ سال کی عمر میں یارک شائر (انگلستان) سے روانہ ہُوا۔ اور اُس نے آسٹریلیا پہنچ کر بھیڑیں پالنے کا کام اسقدر وسیع پیمانے پر شروع کر دیا۔ کہ پچیس سال کی عمر میں وہ مُلک کا ایک دولتمند اور معزز شخص سمجھا جاتا تھا۔ حکومت نے اس کو آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کا "محافظ" مقرر کر دیا۔ اور اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا۔ کہ اصلی باشندوں اور آباد کاروں کے درمیان جو نزاعات واقع ہو جائیں۔ اُن کا تصفیہ کرا دیا کرے۔ چونکہ اسے نئی نئی زمینیں دریافت کرنے کا شوق طبعاً تھا۔ اس لئے اس سے نچلّا نہ بیٹھا گیا۔ اور اس نے نوآبادی کے لئے شمال میں نئے قطعات دریافت کرنے کی غرض سے ایک مہم کی سرداری قبول کر لی ۱۸۴۰ء۔ جون ۱۸۴۰ء کا ذکر ہے۔ کہ ایر پانچ یورپین دو اصلی باشندے۔ تیرہ گھوڑے۔ چالیس بھیڑیں اور کوئی تین تین مہینے کے لئے اشیائے خوردنی کا ذخیرہ ساتھ لے کر روانہ ہُوا۔ اس کا خیال یہ تھا۔ کہ جھیل ٹورنیز سے گزرنے کے بعد نہایت زرخیز و شاداب علاقہ آ جائیگا۔ جس کے ساتھ نوآبادی کے تعلقات رسل و ترسیل بھی آسان ہوں گے بہرحال یہ ایر کے زبانی اندازے ہی تھے۔ کیونکہ آسٹریلیا کا اندرونی حصّہ

ایک سربمہر مکتوب کی مانند تھا۔ اور ایر اس کو کھولنے کا عزم کئے ہوئے تھا +
کوئی تین ہفتے تک تو یہ قافلہ شمال کی طرف ایسے قطعہ زمین پر سفر کرتا رہا۔ جسے ایر کم و بیش جانتا تھا۔ کیونکہ ۱۸۳۹ء میں وہ کافی دُور تک بڑھ آنے کی جرات کر چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ علاقے کی دیکھ بھال تنہا رہ کر کی جائے۔ چنانچہ اس قافلے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ ایر نے ہراول کے فرائض خود انجام دیئے۔ وقتاً فوقتاً وہ پانی کے کسی چشمے پر اپنی جماعت سے الگ ہو جاتا۔ اور صرف ایک حبشی لڑکے کو ساتھ لے کر یہ معلوم کرنے کے لئے آگے نکل جاتا۔ کہ آیندہ پانی کا چشمہ کہاں ملیگا۔ اور علاقے کے عام حالات کیا ہیں۔ چنانچہ ۶۔ جولائی کو وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک حبشی کو ساتھ لیا۔ ایک ٹٹو پر کھانے پینے کی چیز لادلیں۔ اور قافلے سے بہت آگے نکل گیا۔ چوبیس میل تک اس علاقے کی زمین پتھریلی اور بنجر چلی گئی تھی۔ اور رستے میں صرف کھاری پانی کا چشمہ نظر آیا تھا۔ دوسرے دن بھی اس نے شمال کی طرف کئی میل کا سفر کیا۔ اور اس کے بعد جھیل ٹورنیز کے کناروں پر پہنچ گیا۔ جس سے آگے گزر کر ایر کو کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچنے کی امید تھی +
لیکن یہاں سے اس کی مایوسیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جھیل ٹورنیز کی صاف و شفاف سطح آفتاب کی روشنی سے درخشاں ہو رہی تھی لیکن جھیل میں پانی نہ تھا۔ بلکہ نمک کا ایک تختہ جما ہوا تھا۔ جس کے نیچے ایک خوفناک

دلدل پوشیدہ تھی۔ ایراس پر پاپیادہ چلنے لگا لیکن اس کے پاؤں دلدل میں دھنس گئے۔ وہ مغرب کی طرف چلا (جدھر وہ اپنے قافلے والوں کو بھی لے جانا چاہتا تھا)۔ لیکن ہر جگہ دلدل زیادہ خوفناک ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ وہ مجبوراً کنارے پر واپس آگیا۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہاں سے پانچ میل دور پانی موجود ہے۔ لیکن وہاں پانی کے عدم یا وجود کا کوئی ثبوت نہ ملتا تھا۔ ایر کئی دن تک اس امید میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہا۔ کہ شاید کوئی رستہ نکل آئے۔ لیکن اُس نے جس طرف نگاہ اُٹھائی۔ مایوسی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

۱۳۔ جولائی کو اسے چٹانوں کے اندر پانی کا ایک گہرا سا کنڈ نظر آیا۔ چونکہ اس کا پانی ایر کے قافلے کے لئے چند روز کو کفتی نظر آتا تھا۔ اس لئے اس نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور اس کا نام "ڈیپو پول" رکھا۔ گویا یہ ارادہ کر لیا۔ کہ جب تک کوئی موزوں مقام نظر آئے۔ "ڈیپو پول" ہی کو اپنا مرکز خیال کیا جائے۔ اس کے بعد یہ بہادر شخص اور دو دن تک پانی اور گھاس کی تلاش میں پھرتا رہا لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ وہ اپنے قافلے سے جُدا ہو کر ایک سو بیس میل کا سفر کر چکا تھا لیکن مایوسی نے کسی جگہ اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر وہ اپنے ڈیرے کو واپس آیا۔ تکان کی کچھ انتہا نہ تھی۔ دشوار گزار راستوں پر چلنے کے باعث لنگڑا ہو رہا تھا۔ اور کافی غذا نہ ملنے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں میں سکت باقی نہ رہی تھی۔ وہ پانچ دن کے سفر کے بعد اپنے قافلے میں پہنچ گیا۔ تین دن تک آرام کیا۔ اس کے بعد ۲۰ تاریخ کو سارا قافلہ

ڈیپوپول کی طرف روانہ ہُوا۔ اور ۳۰ کو وہاں پہنچ گیا ÷

ایر نے حسب معمول پھر قافلے والوں کو یہاں چھوڑ کر ایک وحشی لڑکے کو ساتھ لیا۔ اور پھر دیکھ بھال کے لئے روانہ ہوگیا۔ رستے میں اسے بہت سے مصائب وخطرات پیش آتے لیکن پانی کا مستقل انتظام کہیں بھی نہ ہوسکا۔ وہ رستے میں بیمار بھی ہوگیا۔ لیکن برابر آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ یہانتک کہ آخرکار مزید سفر کو بے سود سمجھ کر واپس پھرا۔ اور پانچ دن کے بعد "ڈیپوپول پہنچ گیا۔ لیکن عین اس وقت کُنڈ کا پانی ختم ہو چکا تھا۔ اور اہل قافلہ وہاں سے کسی مستقل چشمے کو چلے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے ÷

اب ایر عجیب ضغطہ میں مبتلا تھا۔ پانی کی تلاش میں جانا اپنے رستے سے ہٹ جانا تھا۔ اور آگے بڑھنے میں بے شمار خطرات تھے۔ اور سب سے بڑا خطرہ یہ تھا۔ کہ پانی نہیں ملیگا۔ لیکن حقیقی قافلہ سالار خطرات کی کیا پروا کرتا ہے چنانچہ ایر آگے بڑھ گیا۔ اور ۱۰۔ تاریخ کو ایک جوہڑ پر پہنچ گیا ÷

وہاں سے وہ پھر ایک دفعہ روانہ ہُوا۔ اس دفعہ وہ تین گھوڑوں کی ایک گاڑی میں سوار تھا۔ اور ایک آدمی اور ایک حبشی لڑکا اس کے ساتھ تھے۔ اس گاڑی میں پانی کے بڑے بڑے پیپے بھی رکھے گئے تھے۔ جن میں کوئی پینسٹھ گیلن پانی تھا۔ گھوڑے روزانہ تین تین گیلن پانی پی جاتے تھے۔ اس لئے ایر نے ایک آدمی اور دو گھوڑوں کو واپس بھیج دیا۔ اور دُور اندیشی سے کام لے کر بارہ گیلن پانی اپنی واپسی کے لئے محفوظ کر کے رکھ دیا ÷ ایر اور حبشی لڑکا بیسیوں میل تک

سفر کرتے چلے گئے۔ آخر ۱۴ ۔ تاریخ کو انہیں کیا معلوم ہُوا۔ کہ وہ قافلے سے کوئی ایک سو میل دُور نکل آئے ہیں۔ اور جھیل ٹورنیز ایک دفعہ پھر ان کے رستے میں حائل ہے۔

ایر مایوس ہوکر اُلٹے پاؤں روانہ ہُوا۔ اور ابھی مرکز تک نہ پہنچا تھا۔ کہ اس کا پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ لیکن اس وقت وہ اپنے قافلے سے صرف ڈیڑھ میل دُور رہ گیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ چونکہ دن کا سفر ایک تو زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ دوسرے پیاس بہت ستاتی تھی۔ اس لئے ایر نے رات کو سفر کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک دفعہ ایر نے اندھیرے میں مُنہ پھیر کر جو دیکھا۔ تو دو وحشی باشندے آہستہ آہستہ تاریکی میں سے اس کی طرف آ رہے تھے۔ ایر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ان کی طرف جھپٹا۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

ایر نے اُن کا تعاقب کیا۔ اور بھاگتا ہُوا ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں حبشیوں کی ایک مسلح جماعت موجود تھی۔ جس کے مخالفانہ انداز سے ایر کو اپنے قافلے کی سلامتی کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ وہ وہاں سے الگ ہٹ کر چل دیا۔ رستے میں حملہ آوروں کی طرف سے بہت چوکس رہا۔ اور دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا۔ کہ دیکھوں کمپ میں پہنچکر کیا تماشہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب قافلے کو صحیح سلامت دیکھا تو اس کی جان میں جان آگئی۔ دریافت حال پر معلوم ہُوا۔ کہ وحشیوں نے قافلے کو نقصان پہنچانے میں اپنی طرف سے کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اور مناسب موقع کی تلاش میں کئی دن تک کمپ کے گرد منڈلاتے رہے ہیں۔ بہرحال اب وحشیوں نے اِن

کا پیچھا چھوڑ رکھا تھا۔ اور یہ جماعت اپنے سفر کے لئے روانہ ہو جانے کی تیاریاں کر رہی تھی ۔

قافلہ پھر روانہ ہُوا۔ اور پانی کی تلاش میں روز بروز آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے خلیج فاؤلر پر پہنچکر ڈیرے ڈال دیئے ۔

جب ایر نے جفاکشی اور مایوسی میں کئی مہینے گزار دیئے۔ تو اسے معلوم ہُوا۔ کہ شمالی رستہ معلوم کرنے کا عزم ناقابل عمل ہے۔ چنانچہ اب اس نے مغرب کی طرف کوئی رستہ نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ مغرب کی طرف دُور تک ایک بے سنگ و میل صحرا پڑا ہُوا ہے۔ اور اس کی کامیابی تمام تر پانی ملنے پر موقوف ہے۔ اگرچہ یہ عزم خطرات سے بھرا ہُوا تھا لیکن ایر خطرات کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ۲۵۔ فروری کو خلیج فاؤلر سے روانہ ہُوا۔ گزشتہ تجربہ سے اسے معلوم ہو چکا تھا۔ کہ جتنا بڑا قافلہ ہو گا۔ اتنی ہی ذخائر کے متعلق مشکلات زیادہ ہونگی۔ لہٰذا اُس نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو واپس بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دفعہ اُس نے اپنا داروغہ بیکسٹر۔ تین حبشی لڑکے۔ نو گھوڑے ایک خچر۔ ایک بچھیرا اور چھ بھیڑیں اپنے ساتھ لے لیں۔ جانوروں کے لئے جئی اور بھوسے کے علاوہ ان لوگوں نے اپنے لئے آٹا۔ چائے اور چینی اتنی مقدار میں رکھ لی جو نو ہفتے کے لئے کافی تھی اس کے ساتھ ہی پانی بھی جتنا اُٹھا سکتے تھے۔ اُٹھا لے گئے ۔

خلیج پر قیام کے زمانے میں ایر نے یہ دُور اندیشی کی تھی۔ کہ جس رستے پر

وہ جانا چاہتا تھا۔ اس پر جا بجا پانی اور دوسری چیزوں کے ذخائر دفن کر رکھے تھے لیکن جب اس کا قافلہ پہلے مرکز پر پہنچا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ حبشیوں نے پانی کا ایک پیپا کھود نکالا ہے۔ اور بہت سا پانی لے جا چکے ہیں۔ وہ آٹے کا ذخیرہ بھی لے بھاگتے لیکن ایر نے نہایت پھرتی سے کام لیا۔ اور فی الفور اگلے مرکز پر پہنچ گیا۔ ہر منزل پر پانی پینے کے ناقابل ہُوا جاتا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے ۲۔ مارچ کو تازہ پانی مل گیا۔ اور ایر نے خدا کا بہت ہی شکر ادا کیا۔ ۳۔ مارچ کو پانی زمین کھود کر نکالنا پڑا۔ اور اس موقع پر بعض وحشیوں نے ایر کو بتایا۔ کہ اب آیندہ پانی ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ اپنے قافلے کی ہراولی کے فرائض انجام دینے کے لئے کمر باندھ لی۔ چند بھیڑیں اور ایک حبشی لڑکا اپنے ساتھ لیا۔ اور قافلے سے آگے بڑھ گیا۔ وہ چار دن تک بنجر اور پتھریلے صحرا میں ٹکریں مارتا رہا۔ لیکن کہیں پانی کے ایک قطرے کا نشان نہ ملا۔ اس سفر میں ایر زیادہ تر پا پیادہ ہی چلتا رہا۔ کیونکہ حبشی لڑکا ذرا کمزور واقع ہُوا تھا۔ اور ایر نے اپنے گھوڑے پر اسے سوار کر رکھا تھا۔

بھیڑوں کو جب پیاس کی شدّت نے بیقرار کیا۔ تو اُنہوں نے کچھ کھانا بھی چھوڑ دیا۔ اس موقع پر ایر نے بھیڑوں کو جھاڑیوں کے ایک حلقہ میں بند کر دیا۔ اور ایک رقعہ بکیسٹر کے نام لکھ کر وہاں رکھ دیا۔ جس میں یہ لکھا تھا۔ کہ گھوڑوں پر جو سامان لدا ہے۔ اسے دفن کر دو۔ اور اپنے رہنما کے پیچھے پُوری سرعت سے روانہ ہو کر پہنچ جاؤ۔

اس کے بعد ایر آگے روانہ ہُوا۔ کہیں کہیں پانی ملنے کے آثار دکھائی دیتے

تھے۔اور ایر اپنا راستہ چھوڑ کر ان آثار کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔گھوڑوں کو چار دن سے پانی نہ مِلا تھا۔اور ایک اور مصیبت یہ تھی۔کہ رستے میں خاردار جھاڑیوں کی کثرت تھی۔جس کی وجہ سے گھوڑوں کے لئے چلنا مشکل ہو رہا تھا۔۱۱۔تاریخ کو آسمان پر ابر کے ٹکڑے نظر آئے۔اور بارش کے آثار معلوم ہونے لگے۔ایر سوچ رہا تھا۔کہ اگر بارش نہ ہوئی یا پانی نہ مِلا۔تو گھوڑے یقیناً مر جائینگے۔اور اس کے بعد اُس کی اور اُس کے ساتھیوں کی عافیت بھی خطرے میں پڑ جائیگی۔لیکن بارش نہ ہوئی۔اور ایر قدم اُٹھائے اور جی بڑھائے میلوں آگے نکل گیا۔آخر جب پیاس کے مارے بالکل جانکنی کی سی حالت ہوگئی۔تو ایک جگہ چٹانوں کے اندر چند گڑھے نظر آئے۔جو وحشیوں نے کھود رکھے تھے۔اور جن میں بہت سا پانی موجود تھا *

فوراً واپس جانا تو ناممکن تھا۔کیونکہ دو گھوڑے تکان سے بالکل نیم مُردہ ہو رہے تھے۔اور آرام نہایت ضروری تھا۔اِس لئے ایر نے رات بھر وہاں قیام کیا۔اور جب آفتاب عالمتاب کی شعاعوں نے افق کے دریچے میں سے جھانکنا شروع کیا۔تو ایر پچھلے پاؤں روانہ ہُوا۔قافلے والے بالکل صحیح سلامت تھے۔ان کو ساتھ لے کر پانی کے گڑھوں تک پہنچا۔اور بے آب و گیا علاقے میں چھ دن تک ایک سو پینتیس میل کا سفر کرنے کے بعد آرام کی گھڑی نصیب ہُوئی *

قافلے نے وہاں چھ دن تک سستا کر پھر روانگی کی ٹھہرائی۔دو دن تک

سفر کرنے کے بعد جب پھر پانی کا نشان نظر نہ آیا۔ تو ایر نے گھوڑوں کو واپس پانی کے گڑھوں پر بھیج دیا۔ تاکہ از سرِ نو تازہ دم ہو جائیں۔ وہ خود سامان کے پاس ٹھیرا۔ اور چھ دن کے لئے پانی اور تین باقی بھیڑیں بھی رکھ لیں۔ اب ان بھیڑوں کے علاوہ اِن کے پاس ایک سو بیالیس پاؤنڈ آٹا رہ گیا تھا۔ جسے آٹھ سو میل کے سفر کے لئے مکتفی ہونا تھا۔ ۲۵ - تاریخ کو قافلہ پھر آن ملا۔ اور ایک دن کے سفر کے بعد ایر نے فیصلہ کر لیا۔ کہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھنے کی صرف یہی تدبیر ہے۔ کہ جس چیز کے بغیر گزارا ہو سکے۔ وہ چھوڑ دی جائے۔

اس کے بعد پھر روانہ ہونے سے پہلے ایک اور بھیڑ ذبح کر لی گئی۔ کیونکہ اہلِ قافلہ کو کئی دن سے کافی رسد نہیں ملتی تھی۔ اور سب کے سب کمزور ہو رہے تھے۔ وہ پانی سے بہتر میل دُور نکل آتے تھے۔ اور کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ آگے کتنی دور تک پانی کا سراغ ملے گا۔ وہ پچاس میل تک اس طرح سفر کرتے رہے۔ کہ کبھی خار دار جھاڑیوں میں سے گزرتے تھے۔ اور جب وہ جھاڑیاں بہت زیادہ گنجان ہو جاتی تھیں۔ تو سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگتے تھے۔ آخر گھوڑوں نے بالکل ہی جی چھوڑ دیا۔ سمندر کے کنارے کی روئیدگی ان کی زنجیر پا ہونے لگی۔ تو انہیں بالکل ہی سمندر میں چلنا پڑا۔ لیکن اس امر میں بے انتہا احتیاط کرنی پڑتی تھی۔ کہ کہیں گھوڑے سمندر کا کھاری پانی نہ پی لیں۔

یہاں پھر اسباب کو مختصر کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک گڑھا کھود کر تمام چیزیں اس میں دبا دی گئیں۔ صرف دو بندوقیں ایک پیپا جس میں تھوڑا سا پانی

تھا۔ تھوڑا سا آٹا۔ کچھ چائے اور چینی ساتھ لے لی گئی۔ جب یہ ہو چکا۔ تو چونکہ
جوار بھاٹے کی حالت موافق تھی۔ اس لئے یہ لٹا ہوا قافلہ پھر روانہ ہوا۔ لیکن
تھوڑی دیر میں دو گھوڑے گر پڑے۔ چودہ میل سفر کرنے کے بعد ان لوگوں نے
مقام کیا۔ آدمیوں کے پاؤں کئی دن تک سمندر کے کھاری پانی میں رہنے کی
وجہ سے پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ
کئی دن تک قدم اٹھائے چلے گئے۔ یہانتک کہ پانی کا آخری قطرہ بھی ہو چکا
اور اب مرجھائی ہوئی گھاس پر سے اوس کے قطرے فراہم کئے جانے لگے۔
۳۰۔ مارچ کو روٹی کا آخری ٹکڑا بھی ان غریب مسافروں کا ساتھ چھوڑ گیا۔ اور
ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگی۔ کہتے ہیں کہ جب رات کا اندھیرا انتہا تک
پہنچ چکتا ہے۔ تو صبح کی پہلی کرن نمودار ہوتی ہے۔ ایر کو اس موقع پر اس قول
کی صداقت معلوم ہوئی کیونکہ جب امید کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اور ہر طرف یاس
کی تاریکی چھا گئی۔ تو اس برباد قافلے کو وہ ریت کے ٹیلے نظر آئے۔ جن کا انتظار
یہ کئی دن سے کر رہے تھے۔ آخر انہوں نے وہاں پہنچکر چھ فٹ تک ہی زمین
کھودی تھی۔ کہ تازہ پانی کا کنواں نکل آیا ۔

یہاں قافلے نے ڈیرا ڈال دیا۔ لیکن چند دن میں انہیں بیماری نے آلیا۔
یہ لوگ ایک خاص قسم کی مچھلی پکڑ کر خوب کھاتے رہے۔ لیکن وہ انہیں موافق
نہ آئی۔ ایک گھوڑا بیمار ہو گیا تھا۔ ایر نے اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت ساتھیوں
کو کھلا دیا۔ لیکن وہ گوشت سڑا ہوا نکلا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب اسہال کی بیماری

میں مبتلا ہو گئے۔ اور کئی دن تک ایک مصیبت کا عالم طاری رہا۔ اس کے بعد جب قافلے نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو دو حبشی بھی ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان حالات میں ایر نے مجبور ہو کر آخری بھیڑ کو بھی ذبح کر لیا۔ تاکہ ایک تو کام میں کمی واقع ہو۔ اور دوسرے تبدیل غذا سے ہمراہیوں کی صحت بہتر ہو جائے۔ یہ لوگ تین دن اور اپنے ڈیرے میں مقیم رہے۔ اور بارش کی امید میں دعائیں مانگتے رہے۔ ان کے سامنے ایک لق و دق صحرا پڑا ہوا تھا۔ جس کو بارش کے بغیر عبور کرنا دشوار نظر آتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ قدرت بھی ان سے چھیڑ خانیاں کر رہی ہے۔ بادل اُمڈ اُمڈ کر آتے۔ آندھی کے فراٹے شور محشر مچاتے۔ بجلی چمکتی۔ بادل گرجتے۔ لیکن بارش سمندر کی طرف جا کر ہوتی۔ اور صحرا بدستور خشک کا خشک رہ جاتا!

چند روز بعد دونوں بھگوڑے وحشی واپس آ گئے۔ وہ بھوکے تھے۔ اور پشیمان۔ لیکن خیال یہ ہے۔ کہ بھوکے زیادہ تھے۔ اور پشیمان کم۔ بہر حال ایر نے انہیں پھر خوشی سے اپنے پاس رکھ لیا۔ آخر ۲۷۔ کو یہ جماعت بادلِ ناخواستہ آگے روانہ ہوئی۔ کیونکہ وہ کنواں ان کے لئے صحرا میں نخلستان کا حکم رکھتا تھا دن بھر سخت گرمی پڑتی تھی۔ اور رات کو شدید سردی کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ لوگ کئی دن تک اسی طرح بڑھتے چلے گئے۔ لیکن ان وحشیوں نے پھر دھوکا دیا۔ اور اس دفعہ وہ اپنے ساتھ کچھ ذخائر اور ایک بندوق بھی لیتے گئے۔ بیکسٹر نے انہیں فرار سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے ہلاک کر گئے۔ ایر کو اپنے

رفیق کی ہلاکت سے بہت رنج ہُؤا۔ اس کے بعد سات دن تک اِیر اور اُس کا ساتھی وائِلی پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پانے کے باوجود آگے بڑھتے گئے۔ آخر ۳۔مئی کو وہ ریت کے چند ٹیلوں کے درمیان پہنچ گئے۔ جہاں حبشیوں نے ایک کنواں کھود رکھا تھا +

یہ دونوں آدمی وہاں کئی دن تک آرام کرتے رہے۔ اور پانی کا ذخیرہ بھی بھر لیا۔ آخر سات تاریخ کو آدھی رات کے وقت وہ پھر آگے چلے لیکن چونکہ ایک گھوڑا چلنے سے بالکل رہ گیا۔ اس لئے صرف چند ہی میل چلنے پائے + دوسرے دن صبح کے وقت اُنہوں نے اس گھوڑے کے گولی ماردی۔ اور وائِلی اتنا خوش ہُوا۔ کہ رات بھر اس کا گوشت کھاتا رہا۔ اس کے بعد وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔ ایک تو اُنہیں غذا نہایت بُری ملتی تھی۔ دوسرے راتوں کو سردی بھی ناقابل برداشت پڑتی تھی۔ وہ دونوں بیمار اور کمزور ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی سبز گھاس مل جاتی۔ تو تبدیل غذا کے لئے اُسے کھا کر بہت خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک کنگرو مار کر کھا لیا۔ ایک موقع پر مچھلی بھی پکڑی۔ کبھی پانی مل جاتا۔ اور کبھی کئی کئی دن صاف گزر جاتے۔ اور ایک قطرہ تک حلق کو نصیب نہ ہوتا۔ جب کنگرو کا گوشت ختم ہُوا۔ تو اُنہوں نے آٹے کی لپٹی سی بنا کر کھانی شروع کر دی +

ریت کے ٹیلوں سے روانہ ہوئے ان لوگوں کو ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ کہ ایک دن اِیر نے سمندر کی سطح پر نگاہ ڈالی۔ تو اسے ایک کشتی نظر آئی۔ جو خلیج تھسّل

میں چلی جا رہی تھی۔ اس نے جھٹ بندوق چلائی۔ ریت کے ٹیلوں پر آگ جلائی۔ اور بڑی مشکل سے کشتی والوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایر۔ اور اُس کا حبشی ساتھی دو نو فرانسیسی "مسپی" کے عرشہ پر بیٹھے ہوئے اپنی داستان سُنا رہے تھے۔ اور کپتان روزیٹر کی مہمان نوازی سے تمام مصیبتیں فراموش ہو گئی تھیں +

ایر کوئی دو ہفتے تک "مسپی" جہاز پر مقیم رہا۔ جب اس کی طاقت عود کر آئی۔ تو اُس نے کپتان روزیٹر کے ساتھ گفت وشنید کر کے ذخائر کا انتظام کیا۔ گھوڑوں کی نعلبندی کرائی۔ اور ۱۵۔ جون کو پھر اپنے سفر پر روانہ ہُوا۔ اس دفعہ اس کے پاس آٹا۔ بسکٹ۔ گائے کا گوشت۔ چینی۔ چائے اور دیگر ضروری اشیاء نہایت افراط کے ساتھ تھیں +

اگرچہ سفر کے اختتام کی ابھی کوئی صورت نہ تھی لیکن جب ایر نے "مسپی" پر کافی آرام حاصل کر لیا۔ کپتان کی دوستی کا لطف بھی اُٹھا لیا۔ اشیائے خوردنی بھی بکثرت حاصل کر لیں۔ اور پانی بھی آسانی سے فراہم کر لیا۔ تو اس کے سفر کی آخری منزلیں ابتدائی مراحل کی نسبت آسان تر ہو گئیں۔ یہ مسافر کوئی تیس دن تک آگے بڑھتے چلے گئے۔ سفر کا زیادہ حصّہ پا پیادہ طے کیا۔ کیونکہ گھوڑے آدمیوں اور ان کے اسباب کو بیک وقت نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دسویں دن کئی گھنٹے تک موسلا دھار مینہ برستا رہا۔ اور یہ دونوں مصیبت زدہ مسافر شپاشپ پانی میں چلتے رہے۔ راستے میں کہیں قیام نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ گھوڑوں کے لئے

گھاس کا نام و نشان تک نہ تھا +

جب اُنھوں نے ایک مقام پر ڈیرا ڈال دیا۔ تو غیر ضروری ذخائر کو وہیں چھوڑ گئے۔ تاکہ باقی سفر دس دن کے اندر اندر طے ہو جائے۔ آخر کار ۷۔ جولائی ۱۸۴۱ء کو وہ ان پہاڑیوں پر پہنچ گئے۔ جہاں سے مغربی آسٹریلیا کا علاقہ ایلبنی نظر آرہا تھا۔ جو مُدّت دراز سے ایر کی امیدوں کا گلزار بنا ہُوا تھا!

اِس مقام پر پہنچ کر وہ بہادر ایر جس نے موت و ہلاکت کے خطرات کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا تھا۔ زار زار رونے لگا!

اِسے خیال آیا۔ کہ کوئی بارہ مہینے پیشتر اس کا قافلہ امید اور مسرت سے لبریز ہو کر روانہ ہُوا تھا۔ لیکن تکالیف۔ مصائب اور خطرات نے اس قافلے کو تاراج کر دیا۔ کچھ دوست واپس چلے گئے۔ ایک عزیز رفیق حبشیوں کی بیوفائی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور صرف دو منزل مقصود پر پہنچے!

ایلبنی میں تمام لوگ یہی سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ آیر اور اس کے ہمراہی مر کھپ گئے ہونگے۔ لیکن جب وہ پہنچے۔ تو وائیلی کے دوستوں اور بھائیوں نے خوشی کے جانفروز نعروں سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور ایر کے ہموطنوں نے بھی نہایت شان سے اس کا استقبال کیا۔ تھوڑی مدت بعد وہ ایک جہاز میں سوار ہو کر ایڈی لیڈ کو چل دیا۔ اور ایک سال چھبیس دن کی غیر حاضری کے بعد ۲۶۔ جولائی کو وہاں پہنچ گیا +

The discovery of the source of the River Nile

دریائے نیل کے منبع کی دریافت

اگرچہ سیاحوں نے جولیس سیزر کے زمانہ سے افریقہ کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ اور دریائے نیل کا منبع دریافت کرنے میں انتہائی کوششیں صرف کر دی تھیں۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط تک یہ عقدہ بدستور پُراسرار بنا رہا۔ آخر پادری کراف اور پادری ربمین کو افریقہ کے "حصّہ استوائی" کے بعض وحشی باشندوں سے یہ معلوم ہُوا۔ کہ اس علاقہ میں ایک ایسا خطّہ بھی موجود ہے جس کے پہاڑ برف سے ڈھکے ہُوئے ہیں۔ اور جس میں بڑی بڑی وسیع جھیلیں ہیں + اس معلومات کی بنا پر جغرافیہ دانوں نے تہیّہ کر لیا۔ کہ دریائے نیل کا منبع دریافت کرنے کے لئے ایک جماعت بھیج دی جاتے۔ چنانچہ ۱۸۵۶ء میں رائل جغرافیکل سوسائیٹی نے لفٹنٹ برٹن اور کپتان سپیک کی سرکردگی میں یہ جماعت روانہ کر دی +

یہ قافلہ ۶۔ دسمبر ۱۸۵۶ء کو زنجبار میں اُترا۔ اور بلا توقف اُجیجی کی طرف چلدیا جو جھیل ٹانگانیکا کے کنارے پر واقع ہے۔ ان کے ساتھ بلوچ سپاہیوں حبشی غلاموں اور اپنے ذاتی نوکروں کی ایک کافی جمعیت تھی + بدقسمتی سے آغاز کار ہی میں انہیں تکالیف پیش آنی شروع ہو گئیں۔ سب سے پہلے ان کا قافلہ سالار برٹن بیمار ہو گیا۔ کپتان سپیک نے اس کو کازہ میں چھوڑ دیا۔ جو ٹانگانیکا کے

نصف رستے پر عربوں کا ایک تجارتی مرکز ہے۔ اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے جھیل نائینزا کو منزل مقصود قرار دیا۔ جس کا نام اُس نے پادریوں سے سُن رکھا تھا +

جب کپتان سپیک ٹانگانیولا کے مقام پر پہنچا۔ تو شدید بخار کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں اسقدر آشوب پیدا ہو گیا تھا۔ کہ اسے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لیکن قدرت نے اس کے اس مرض کا علاج نہایت عجیب طریقے سے کیا۔ ایک دن ایک خاص قسم کے بھونروں کا ایک چھتے کا چھتّا اس پر آن پڑا۔ اور ایک بھونرا اس کے کان میں بھی داخل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے سپیک کو نہایت شدید درد لاحق ہُوا۔ اور اسی درد سے اس کا آشوب چشم دُور ہو گیا +

سپیک پھر روانہ ہُوا۔ اور کئی ہفتے تک نہایت مشکل اور خطرناک رستہ طے کرنے کے بعد اُجیجی پہنچا۔ جہاں سے نائینزا کی عظیم الشان جھیل نظر آرہی تھی + یہ ماہ اگست ۱۸۵۷ء کا ذکر ہے۔ یہاں پہنچکر سپیک کو یقین ہو گیا۔ کہ وہ دریائے نیل کے منبع کو تقریباً دریافت کر چکا ہے۔ وحشی باشندوں نے اسے بتایا۔ کہ یہ جھیل شمال کی طرف صدہا میل تک چلی گئی ہے۔ اور آخر میں اس میں سے ایک دریا نکلتا ہے۔ جس پر گورے لوگ بہت آتے رہتے ہیں + سپیک نے اس جھیل کا نام وکٹوریا نائینزا رکھا۔ اور کشتیوں کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ تاکہ اس میں سوار ہو کر جھیل کی دیکھ بھال کرے۔ لیکن یہ کام نہ ہو سکا۔ لہٰذا وہ پھر ساحلِ زنجبار پر واپس آگیا۔ برٹن تندرست ہو چکا تھا۔ اس کو ساتھ لیا اور

یہ قافلہ پھر لندن کو روانہ ہو گیا۔ وہاں اس دریافت کا بہت چرچا ہوا۔ جھیل نائینزا اور منبع نیل کے مسائل پر علمی حلقوں میں بحثیں ہونے لگیں۔ اور نتیجہ یہ ہؤا کہ سیاحوں کا ایک اور قافلہ سپیک ہی کی سرکردگی میں وکٹوریا نائینزا بھیجا گیا۔ اس دفعہ سپیک نے کپتان گرانٹ کو اپنے ساتھ لے لیا۔

جب یہ لوگ زنجبار پہنچے۔ تو بڑی مشکل سے چند خدمتگاروں اور مسلح حبشیوں کی ایک جماعت کو ساتھ لیا۔ اور یوگنڈا کے رستے سے وکٹوریا نائینزا کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سفر نہایت خوفناک تھا۔ ہر موقع پر قافلے کے آدمی ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ اور جو باقی رہ گئے تھے۔ وہ برابر بحث و تکرار کرتے چلے جاتے تھے۔ بہت سے خچر اور ٹٹو مر گئے۔ اور متواتر بارش نے سفر بالکل دشوار کر دیا۔ مزید براں حبشی قبائل ہمیشہ بر سر پیکار رہتے۔ کھانے پینے کی چیزوں کا قحط پڑا ہؤا تھا۔ ہر طرف گنجان جنگل تھے۔ جن میں جھاڑیاں اور درخت کاٹ کاٹ کر رستہ خود نکالنا پڑتا تھا۔ اور بہت سے چڑھے ہوئے نالے عبور کرنے پڑتے تھے۔ عرب اور حبشی ہمراہی آپس میں برابر لڑتے جھگڑتے چلے جاتے تھے۔ اور ان کی لڑائیوں کی وجہ سے سیاحوں کو بار بار اُلٹے پاؤں مڑنا۔ اور کئی کئی دن تک مقام کرنا پڑتا تھا۔

سارے سفر میں سب سے زیادہ مبارک مقام کاراگو تھا۔ جہاں کے بادشاہ رومانیکا نے بہت دوستی اور امداد کا ثبوت دیا۔ وہ گوروں کے آنے پر بہت خوش ہؤا۔ اور سپیک نے کئی دن تک اس کے دربار میں رہ کر اسے بہت سی

نئی باتیں سکھائیں۔ اس کے عوض میں اسے اس علاقے کی سرزمین اور اس کے باشندوں کے متعلق بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوئی +

کپتان گرانٹ کاراگو میں بیمار پڑ گیا تھا۔ اس لئے سپیک نے اس کو وہیں چھوڑا۔ اور خود شمال کی طرف روانہ ہُوا۔ جب وہ یوگنڈا کے بادشاہ مٹیسا کی تخت گاہ کے پاس پہنچا۔ تو بادشاہ کے آدمیوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ جب تک بادشاہ کی اجازت نہ آجائے۔ آگے بڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ جب بادشاہ نے اجازت دے دی۔ اور سپیک اُسے ملنے کے لئے گیا۔ تو اسے بادشاہ کے ملاقاتی کمرے کے باہر انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ ملازموں نے اس سے کہا۔ کہ یہاں زمین پر بیٹھ جاؤ۔ جب بادشاہ طلب کرے۔ اس وقت اندر جانا۔ لیکن سپیک نے سوچا۔ کہ اگر مَیں نے کمزوری کا ثبوت دیا۔ تو اچھا نہ ہوگا اس لئے اس وقت ذرا اکڑفوں سے کام لینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا۔ کہ میں کوئی عرب تاجر نہیں ہوں۔ کہ زمین پر بیٹھا ہُوا مکھیاں اُڑاتا رہوں مَیں کھڑا رہونگا۔ اور صرف پانچ منٹ تک انتظار کرونگا۔ اگر اس عرصے میں مجھے بادشاہ نے اپنے حضور میں طلب نہ کیا۔ تو واپس چلا جاؤنگا +

سپیک کے تمام آدمی اپنے سردار کی شوریدہ سری کو دیکھ کر دہشت سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے۔ کہ دیکھیں افریقہ کے بادشاہ کا غیظ وغضب کیا رنگ لاتا ہے۔ علاوہ بریں مٹیسا کے درباری بھی اس اجنبی گورے کی سبکسری کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے +

جب پانچ منٹ تک بادشاہ کی طرف سے کوئی قاصد بلانے نہ آیا۔ تو سپیک غصّے کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوکر اپنے ڈیرے پر جا پہنچا۔ جب اس واقعہ کی خبر شاہ مٹیسا کو پہنچ گئی۔ تو اُس نے فوراً اپنے قاصد اس سیّاح کے پاس بھیجے اور اس سے التجا کی۔ کہ جلد سے جلد دربار میں واپس آجائے۔ سپیک نے کہا۔ "کہ میری سخت توہین کی گئی ہے۔ اور مَیں اس کو برداشت نہیں کر سکتا" عین اسی وقت سپیک کے حبشی ساتھیوں کا ییٹ بمبے نامی اپنے بعض آدمیوں کے ساتھ سپیک کے پاس آیا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ کہ "بادشاہ سلامت کو آپ کی اس تکلیف پر بہت افسوس ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ آپ فی الفور محل میں تشریف لاکر ہمارے برابر کرسی پر بیٹھئے"۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یوگنڈا میں کرسی پر بیٹھنے کا حق بادشاہ کے سوا کسی شخص کو حاصل نہیں۔ اور یہ سپیک کی انتہائی عزت افزائی تھی۔ کہ بادشاہ نے اس کو اپنے برابر بیٹھنے کی دعوت دیدی تھی +

سپیک اپنی اس فتح پر پھولا نہ سمایا۔ اس کے عزّ و وقار کا تسلیم کر لیا جانا فی الحقیقت بہت بڑی کامیابی تھی۔ اور اس نے اپنے دل میں عزم صمیم کر رکھا تھا۔ کہ جب تک اس مُلک میں مقیم رہونگا۔ اس عزّ و وقار کو بدستور قائم رکھنے کی کوشش کرونگا +

وہ پھر بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہُوا۔ بادشاہ نے فی الفور اسے باریاب کیا۔ اُس وقت مٹیسا گھاس کی ایک مسند پر بیٹھا تھا۔ جس پر سیاہ کمّل پڑا ہُوا تھا۔ سپیک اپنے سپاہیوں کا اعزازی دستہ ساتھ لئے دربار میں داخل ہُوا۔ اپنی کرسی

دربار میں رکھ دی۔ چھتری کھول کر بیٹھ گیا۔ اور کوئی ایک گھنٹے تک غور سے
مٹیسا کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس دوران میں دونوں نے ایک بات بھی نہ کی
کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے قاصر تھے۔ لیکن بہرکیف مٹیسا
نے جو اشارے کئے۔ انہیں سپیک سمجھ گیا۔ اور ان کے جواب میں اپنی عجیب
چیزیں مثلاً ٹوپی۔ چھتری اپنے سپاہیوں کی وردیاں اور اَور چیزیں مٹیسا کو
دکھاتا رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک عجیب حرکت کی۔ ایک قاصد کے
ہاتھ سپیک سے یہ پوچھ بھیجا۔ کہ "آیا آپ نے حضور بادشاہ سلامت کی زیارت
کر لی؟" سپیک نے جواب دیا "ہاں میں پورے ایک گھنٹے سے زیارت کر رہا
ہوں۔" اس کے بعد بادشاہ سلامت اپنے تخت پر سے اُٹھے۔ اور چل دئے؛
سپیک بہت حیران ہُوا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا۔ کہ مٹیسا
نے قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک گورے سے ملاقات نہ کرلونگا۔ کھانے کو ہاتھ نہ لگاؤنگا
چنانچہ اب وہ کھانا کھانے کے لئے گیا ہے؛

اس کے بعد جو ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت خوشگوار تھی۔ دونوں میں دوستانہ تعلقات
قائم ہو گئے۔ لیکن جب سپیک کو بادشاہ کے حکم سے یونہی کئی دن تک بیکار یوگنڈا
میں مقیم رہنا پڑا۔ تو وہ اس تضیع اوقات پر بہت گھبرایا۔ کیونکہ اس کی منزل مقصود
تک صرف دو ہفتے کا رستہ تھا۔ اور وہ کئی دن تک ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا
تھا۔ اس قیام کی حالت میں کئی مہینے گزر گئے۔ جب کبھی سپیک آگے جانے کی
اجازت طلب کرتا۔ بادشاہ کسی نہ کسی بہانے سے اس کو ٹال دیتا۔ اس نے مٹیسا

کو بہت سے تحائف بھی دئے۔ اسے بندوق کا استعمال بھی سکھایا۔ اِس کے عہدے داروں کو رشوتیں بھی دیں۔ لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ وہی بادشاہ کو اس خیال سے بھی نفرت تھی۔ کہ سپیک یوگنڈا سے چلا جائے۔

اسی اثنا میں کاراگو کے مقام پر گرانٹ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ جب اُس نے بیماری سے شفا پائی۔ اور آگے بڑھنے کا قصد کیا تو بادشاہ کاراگو کسی طرح اس کی مفارقت پر رضامند نہ ہوتا تھا۔ آخر گرانٹ نے بڑی بڑی چالاکیوں سے کام لیکر اس سے پیچھا چھڑایا۔ اور یوگنڈا پہنچ گیا۔ اس موقع پر شاہ مٹیسا نے ان گورے سیاحوں کو آگے بڑھنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ ۷۔ جولائی کو یہ لوگ بہت سے حبشیوں کو ساتھ لیکر افریقہ کے شمالی ڈھلوانوں پر سے اُترتے ہوئے نائینزا کی طرف روانہ ہوئے۔ رستے میں جا بجا حبشیوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں مثلاً کارل کے مقام پر سپیک کے آدمیوں میں سے ایک قتل کر دیا گیا۔ اور کچھ گائیں بھی چُرا لی گئیں۔ ایک دن وحشیوں نے چند آدمیوں پر کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ اور ایک رات کا ذکر ہے کہ جس جھونپڑی میں سپیک کے آدمی سو رہے تھے۔ اُس کو آگ لگا دی گئی۔

ان مشکلات کی وجہ سے اور گرانٹ کے لنگڑے پن کے باعث سفر آہستہ آہستہ طے ہو رہا تھا۔ لہذا ۱۸۔ کو سپیک نے اپنی تجاویز بدل دیں۔ قافلے کے دو حصے کر دئے گئے۔ گرانٹ تو کمراسی کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ جس کا بادشاہ ان کے رستے میں ایک خوفناک اژدھا سے کم نہ تھا۔ اور سپیک مشرق کی طرف

"اورندوگانی" کو روانہ ہوگیا +

سپیک کے راستے میں ایک دریا پڑتا تھا۔ جس کا نام "لوا جیری" تھا۔ اس کو عبور کرنے کا یہ طریقہ نکالا گیا۔ کہ گائیں تیرنے لگیں۔ اور آدمیوں نے ان کی دُمیں پکڑ کر پار اُترنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسرے کنارے کے قریب پانی بہت گہرا تھا۔ چنانچہ کشتیاں لانی پڑیں۔ اور اس دریا کو عبور کرنے میں کوئی چار گھنٹے صرف ہو گئے۔ اس دوران میں بے شمار مچھروں نے آدمیوں کی ننگی گردنوں پیٹھوں اور ٹانگوں پر کاٹ کاٹ کر چکتے ڈال دیئے +

سپیک کے ساتھ راستہ بتانے والے بدر قے نہ تھے۔ اور اس علاقے کے حبشی بھی بہت نامہربان واقع ہوئے تھے۔ وہ جب کبھی موقع پاتے سپیک اور اسکے ساتھیوں کو غلط رستے پر ڈال دیتے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ یہ قافلہ بار بار اپنے رستے سے بھٹک کر آوارہ ہو جاتا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ " اورندوگانی " پہنچ ہی گیا۔ وہاں اس نے کشتیاں حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ ان میں سوار ہو کر دریا میں بہاؤ کے رُخ سفر کرے۔ سپیک لکھتا ہے۔ کہ " آخر کار میں اس دن نیل کے کنارے پر کھڑا تھا۔ آس پاس کا منظر اس قدر خوبصورت اور دلفریب تھا۔ کہ اندازۂ بیان سے باہر ہے۔ مہذب دُنیا کا کوئی بہتر سے بہتر چمن بھی اس قدر خوشنما اور مکمل نہ ہوگا۔ چھ سات سو گز چوڑا دریا نہایت اُونچے اور سرسبز کناروں کے درمیان لہریں لے رہا تھا۔ اس کے بیچ میں جا بجا چٹانیں کھڑی تھیں۔ اور ٹاپو پڑے ہوئے تھے۔ اور کناروں پر اعلےٰ درجے کے ثمردار درختوں اور کیلے

کے پیڑوں کی قطاریں نظر آرہی تھیں +

حبشی عہدے دار سپیک کے تمام کاموں میں پے در پے رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اور سپیک غصّے سے دانت پیس کر رہ جاتا تھا۔ ان عہدے داروں نے کہا۔ کہ کشتیاں نہیں مل سکتیں۔ سپیک نے تحکم کے ساتھ ان کا مطالبہ کیا۔ اور خود دریا کے دائیں کنارے کی سیاحت میں مصروف ہو گیا۔ یہانتک کہ ایک نہایت عظیم الشان آبشار تک پہنچ گیا۔ جس کا نام اُس نے رائل جغرافیکل سوسائٹی کے صدر کے نام پر " آبشارِ رِپن " (رِپن فالز) رکھا۔ سپیک لکھتا ہے کہ " یہاں پہنچکر میری مہم ختم ہو گئی۔ اور مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ قدیم دریائے نیل بلاشبہ جھیل وکٹوریہ نائینزا سے نکلتا ہے +"

اندازہ کرنا چاہیئے۔ کہ دریائے نیل کے منبع کی دریافت اور مہم کی کامیابی پر سپیک کو کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ اور وہ خدا کی درگاہ میں کسقدر شکر بجا لایا ہو گا + کچھ مدت بعد وہ ایک حبشی عہدے دار اور چند ناخداؤں کو ساتھ لیکر پانچ کشتیوں میں سوار ہُوا۔ اور دریائے نیل میں سفر کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں گرانٹ اور اُس کے آدمی بھی آ پہنچے۔ اور یہ سب لوگ اِکٹھے ہو کر کاروما کے آبشار پر پہنچے۔ دریا کو عبور کیا۔ اور کیڈی کے جنگل میں گھُس گئے۔ جہاں جھاڑیوں اور دلدلوں کا کچھ شمار نہ تھا +

چند روز کے سفر کے بعد ایک شخص محمد اس قافلے سے آ کر مِلا۔ اور اُس نے بتایا۔ کہ تین اور یورپین آدمی " گوروکوندو " کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ جب

قافلہ اس مقام پر پہنچا۔ تو اس نے دیکھا کہ سیموئیل بیکر اور اس کے ہمراہی دریا میں اُوپر کی طرف سفر کر کے نیل کا منبع دریافت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ ملاقات بہت دلفریب تھی۔ یہاں دونوں قافلوں نے ایک دوسرے کو اپنے دلچسپ حالات سُنائے ۔

چند روز یہاں قیام کرنے کے بعد سپیک اور گرانٹ بیکر کی کشتیوں میں سوار ہو کر دریائے نیل کے رستے خرطوم اور وہاں سے اُونٹوں پر قاہرہ پہنچ گئے ۔ ان کی یہ کامیابی معمولی نہ تھی۔ کیونکہ اُنہوں نے افریقہ کے استوائی علاقے میں نبرہ سو میل کا سفر طے کر لیا تھا۔ انہیں بارہا بخار اور دوسری بیماریوں سے سابقہ پڑا۔ بارہا وحشی حبشیوں کی خونخواری کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ تین سال تک دُنیائے تہذیب سے الگ اور اپنے وطن سے دُور مصیبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہُوئے۔ اور افریقہ کے سب سے بڑے دریا کا منبع دریافت کر کے چھوڑا ۔

The discovery of

تبت کے پایہ تخت لاسا کی دریافت

ایک عورت کی بہادری

تبّت کے پایہ تخت لاسا میں جہاں اہل تبّت کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا دلائی لاما رہتا ہے۔ کسی غیر ملکی یا غیر مذہب کے آدمی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی لیکن مس اینی آر ٹیلر پراٹسٹنٹ مذہب کی پہلی مبلّغ تھیں۔ جو اپنے عزم صمیم اور اپنی ہمّت مردانہ کی وجہ سے اس مقدس شہر میں پہنچ گئیں ؎

اس سے کئی سال پیشتر مس ٹیلر کا ایک ہموطن ٹامس مینگ بھی شدید خطرات اور سفر کی تکلیفوں کا مقابلہ کرنے کے بعد لاسا پہنچ گیا تھا۔ اور چالیس سال بعد دو فرانسیسی پادری ہک اور گیبٹ بھی اس مقدس شہر کا سفر کر آئے تھے۔ لیکن لاسا پہنچنے کے تمام رستوں کی حفاظت جس سختی کے ساتھ کی جاتی تھی۔ اور اجنبیوں کے لئے اس سرزمین میں جو خطرات پوشیدہ تھے۔ ان کو مدّنظر رکھ کر دیکھو۔ تو اس عورت کی ہمّت پر ہزار آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔ جس نے عورت ذات ہو کر وہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ یہ نہ سمجھو۔ کہ مس ٹیلر کو ان خطرات سے آگاہی نہ تھی۔ جو اُسے اس سفر میں پیش آنے والے تھے۔ نہیں۔ بلکہ اس کے سفر کا مدعا یہ تھا۔ کہ جس طرح بھی

ہو سکے۔ اپنے مذہب کا پیغام اہل لاسا تک پہنچا دے۔ مس ٹیلر نے سرحد تبت کے نزدیک تاؤ چاؤ کے مقام پر اندرون چین میں عیسائیت کی تبلیغ کا جو کام کیا تھا۔ اس سے اسے ان لوگوں کی شناسائی حاصل ہو گئی تھی۔ جو تبت کے اندرونی حالات سے واقف تھے۔ ۱۸۸۰ء میں مس ٹیلر نے کم کم کے مقام پر لاماؤں کی ایک خانقاہ کا معائنہ کیا۔ اور دل میں ارادہ کر لیا۔ کہ اب اس پُراسرار سرزمین میں ضرور داخل ہو کر رہونگی۔ چنانچہ اسی ارادے سے اس نے تبتی زبان سیکھنی شروع کر دی۔ اور قلعہ کمبا جونگ کے زیر پناہ اپنا مستقر بنا لیا۔ وہاں کے لوگ مس ٹیلر کے ساتھ کبھی ملاطفت سے پیش نہ آتے۔ بلکہ ہمیشہ اسے ڈراتے دھمکاتے رہے۔ تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتے۔ لیکن جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اُنہوں نے اپنا خاص طریقہ اختیار کیا۔ اور مس ٹیلر کے خلاف بددُعائیں کرنی شروع کر دیں۔

اہل تبت کو دُعا کی تاثیر پر حیرت انگیز اعتقاد تھا۔ خاصکر جب اس دُعا کے ساتھ "اعمال" بھی شامل ہوں۔ لیکن اُن کی دُعا اور اُن کے عمل کی اصلی حیثیت کا حال بھی سُن لو۔ جب وہ مس ٹیلر کے خلاف بددُعاؤں میں مصروف تھے۔ تو اُنہوں نے اس خاتون کو دعوت دی۔ جب مس ٹیلر کھانا کھا کر آئیں۔ تو سخت بیمار ہو گئیں۔ اور علامات سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ انہیں کھانے میں زہر دیدیا گیا ہے۔ بہت سی دوا درمن کے بعد مس ٹیلر کو صحت ہو گئی۔ لیکن وہ تندرست ہوتے ہی کمبا جونگ سے اپنا بوریا بدھنا اُٹھا کر پوڈنگ گمپس کی خانقاہ کے متصل پہنچیں

اور وہاں قیام کر کے از سرِ نو تبّتی زبان کی تحصیل میں مصروف ہو گئیں ۔

پورے بارہ مہینے تک یہ بہادر خاتون اپنے ہموطنوں سے دُور اہلِ تبّت کی سی سادہ زندگی بسر کرتی رہی۔ اور یہ زمانہ انتہائی محنت اور جفاکشی سے گزارا۔ اس طریقے سے اس کو اہلِ تبّت کے رسم و رواج اور ان کے مذہب کی بہت سی ضروری باتیں معلوم ہو گئیں۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا۔ کہ ہمالیہ کے رستے سے لاسا پہنچنے میں کیا کیا مشکلات ہیں۔ اگرچہ چین کی طرف سے بھی لاسا کے رستوں کی حفاظت میں پورے اہتمام سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن ہندوستان کی طرف سے غیر ملکیوں کے داخلہ کی رُکاوٹیں اسقدر شدید تھیں۔ جن کی کہیں مثال نہیں ملسکتی۔ مس ٹیلر کو کسی خاص رستے سے کوئی مطلب نہ تھا۔ وہ تو کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے ہمالیہ کے رستے سفر کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اور شنگھائی چلی گئی۔ اس کے بعد ینگ سی تک پہنچکر دو ہزار میل کا سفر کر کے تاؤ چاؤ پہنچی۔ اور وہاں پھر ایک سال تحصیلِ زبان میں صرف کیا ۔

ایک نوجوان تبّتی جس کا نام پونٹسو تھا۔ ایک دفعہ کسی حادثے میں بہت بُری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ مس ٹیلر نے نہایت محبّت و شفقت سے اس کا علاج کر کے اسے از سرِ نو مضبوط اور تندرست بنا دیا تھا۔ اس احسان کے عوض میں پونٹسو مس ٹیلر کا گرویدہ ہو گیا۔ اور مس نے اس سفر میں اسے ساتھ لے لیا۔ آخر جب مناسب وقت آن پہنچا۔ اور مس ٹیلر نے لاسا کا عزم کر لیا۔ تو اُن دنوں تاؤ چاؤ میں ایک چینی سوداگر مسمیٰ نوگا رہتا تھا۔ جو کبھی کبھی تجارت کے

سلسلے میں لاسا جایا کرتا تھا۔ اُس نے ایک تبّتی خاتون آرمینی سے شادی بھی کرلی تھی۔ جب لُو نگا کو یہ معلوم ہُوا۔ کہ مس ٹیلر لاسا میں داخل ہونا چاہتی ہے۔ تو اُس نے کہا کہ مَیں ہر طرح آپ کی مدد کرونگا۔ لیکن گھوڑے مہیّا کرنا۔ اور ان کے تمام مصارف برداشت کرنا آپ کے ذمے ہوگا۔ مس ٹیلر نے یہ شرط منظور کرلی۔ اور یہاں سے سفر شروع ہوگیا۔ اس قافلہ میں مس ٹیلر، مسٹر لو نگا۔ بیگم لو نگا۔ ایک چینی ملازم ایک تبّت کا سرحدی باشندہ نوگبی اور پونٹسو کل چھ نفوس شامل تھے۔ ان کے ساتھ چھ ٹٹّو تھے۔ جن پر اشیائے ضروری کے ذخائر لدے ہُوتے تھے +

ان کا رستہ ایک پہاڑی پگڈنڈی پر سے گزرتا تھا۔ جس کے آس پاس قزّاقوں کی بے شمار ٹولیاں چھپی رہتی تھیں۔ جب پہلی ٹولی نے اس قافلے پر حملہ کیا۔ تو چونکہ قافلے والوں کے پاس ڈاکوؤں سے بہتر اسلحہ موجود تھے۔ اس لئے ڈاکو بھاگ گئے۔ اور کوئی نقصان نہ ہُوا۔ لیکن دوسری ٹولی اسقدر کمزور نہ تھی۔ اور اس کے سامنے قافلہ کو مغلوب ہونا پڑا۔ دوران سفر میں اس قافلے کے ساتھ منگولوں کا ایک بڑا کارواں بھی آکر شامل ہوگیا تھا۔ اور یہ دونوں قافلے پہاڑی درے پر چلے جا رہے تھے۔ کہ اتنے میں دو سو ڈاکوؤں کا ایک گروہ پہاڑی کمین گاہوں سے نکل کر اُن پر آن پڑا۔ ڈاکوؤں نے آتے ہی قافلے کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور گولی چلانی شروع کردی۔ مقابلہ کرنا بے سود تھا۔ منگول قافلے کا تمام مال اسباب لُٹ گیا۔ اور نوگبی (تبّتی سرحدی) جو مس ٹیلر کے قافلے میں رکن قافلہ کی حیثیت سے شریک نہ تھا۔ اس کی تمام بیش قیمت چیزیں بھی چھین لی گئیں۔ اس کے بعد

منگول اور توگبی واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔

ڈاکوؤں نے مس ٹیلر اور ان کے چار ساتھیوں کو آگے بڑھ جانے کی اجازت دیدی۔ صرف دو گھوڑے اور تھوڑا سا اسباب اُن سے لے لیا۔ اور باقی چھوڑ دیا۔ کیونکہ تبتی ڈاکو عورتوں سے جنگ کرنا شانِ مردانگی کے خلاف سمجھتا تھا۔

مس ٹیلر اور ان کے رفقا چلتے چلاتے قبیلہ گولک کے علاقے تک پہنچ گئے۔ یہ قزّاقوں کا ایک قبیلہ تھا۔ جس نے کبھی کسی کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ تبّت اور چین دونوں مُلکوں کی حکومتیں اُن لوگوں پر اپنا شاہانہ اقتدار جمانا چاہتی تھیں لیکن وہ کسی کے قابو میں نہ آتے تھے۔ اور اُن کا شیوہ یہ تھا۔ کہ پُر امن مسافروں پر جا پڑتے جو کچھ ان کے پاس ہوتا چھین جھپٹ کر لے جاتے۔ اور جانوروں کے گلّے کے گلّے لوٹ کر اپنے دیہات کو واپس چلے جاتے۔

اگر اس قبیلہ کا ایک سردار واچوبوموس ٹیلر پر مہربان نہ ہو جاتا۔ تو خدا جانے اس قافلے کو کیا روزِ بد دیکھنا نصیب ہوتا۔ اس سردار نے اس گوری عورت کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اس علاقے کا سارا سفر نہایت آرام و اطمینان سے کٹ گیا۔ اور کوئی وجہ شکایت پیدا نہ ہوئی۔ کیونکہ واچوبو نے گولک قبیلے کے دو سوار حفاظت کے لئے مس ٹیلر کے ساتھ کر دِئے تھے۔ تاکہ قافلے کو اس علاقے کی سرحد تک صحیح سلامت پہنچا دیں۔ سردار کی اس مہربانی کا یہ اثر ہُوا۔ کہ گولک ڈاکوؤں نے اس قافلے کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کی۔

جب قبیلہ گولک کا علاقہ ختم ہو گیا۔ تو ایک اور مصیبت نازل ہوئی مس ٹیلر

کا چینی ملازم اگرچہ بہت طاقتور اور جوان آدمی تھا۔ اور اس قسم کے سفر کی تکالیف کو برداشت کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ لیکن ایک دم بیمار ہوگیا۔ اور سردی لگ جانے کی وجہ سے بہت جلد انتقال کر گیا۔ مس ٹیلر اپنی کتاب میں لکھتی ہے۔" ہم نے اسے دوپہر کے وقت دفن کر دیا۔ آفتاب عالمتاب پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں پر اپنی تجلیاں بکھیر رہا تھا۔ کہ ہمارے آدمیوں نے پاس ہی ایک دلدلی زمین میں چند فٹ گہرا گڑھا کھودا۔ اور مرحوم کو سفید کفن میں لپیٹ کر سپرد خاک کر دیا۔ رات کی تاریکی میں قبر کے گرد بھیڑئے چلّا رہے تھے۔ یہ علاقہ ہیگو کہلاتا تھا +

مس ٹیلر نے اپنے چینی ملازم کے کفن دفن کی جو تصویر الفاظ میں کھینچی ہے۔ اس سے اس بہادر قافلے کی مصیبتوں کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دن رات انہیں برف پوش پہاڑیوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات برف کی بوچھاڑ ان کے چہروں پر پڑ رہی ہوتی تھی۔ دریاؤں پر پل نہ تھے۔ انہیں بھی ہزار دقتوں سے عبور کرنا پڑتا تھا۔ اور کہر سے ڈھکی ہوئی دلدلی زمین میں ان کے پاؤں دھنستے چلے جاتے تھے۔ ہر روز برف سے زیادہ ٹھنڈی ہوا کے فراٹے ان کا استقبال کرتے اور آس پاس نہایت خوفناک دشمن پوشیدہ رہتے تھے۔ جو خوراک حاصل کرنے کی امید میں ان کا پیچھا کئے چلے آتے تھے +

مس ٹیلر کے رستے میں قدرت کی طرف سے جو رکاوٹیں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا مقابلہ تو اس نے کامیابی سے کر لیا تھا۔ لیکن انسانوں کی شرارتوں کے آگے

وہ بالکل بے بس تھی۔ اگر اس کا وفادار دوست پونٹسو اور ایک واقفکار نوجوان تبتی جسے اس نے چینی ملازم کی جگہ بھرتی کر لیا تھا۔ وفاداری کا ثبوت نہ دیتے۔ تو مس ٹیلر کی تباہی میں کوئی فرق باقی نہ رہ گیا تھا۔ قصّہ یوں ہوا۔ کہ چینی سوداگر لو گا جواب تک مس ٹیلر کی امداد کا دم بھر رہا تھا۔ بیوفا اور غدّار ثابت ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ اس کی نیّت شروع ہی سے بُری تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ مس ٹیلر کو تبت کے خطرناک اور دشوار گزار حصّوں میں لے جا کر قتل کر دے۔ اور اس کا مال اسباب لوٹ لے۔ لیکن پونٹسو اور یا تیغ (دنیا تبتی ملازم) نے اس بدمعاش کی ایک نہ چلنے دی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے کنارہ کشی کا ارادہ کر لیا۔ اور دسمبر میں ایک خچر۔ ایک گھوڑا۔ ایک بڑا خیمہ اور کچھ اشیائے خوردنی ساتھ لیکر اپنی بیوی سمیت چلا گیا۔ اور مس ٹیلر اور اس کے نوکروں کو سخت مصیبت میں گرفتار کر گیا۔ ان غریبوں کے پاس کھانے کو کچھ تھا نہیں۔ گھوڑے ضرورت سے زیادہ تھے۔ صرف ایک خیمہ تھا۔ اور وہ بھی بعد میں روٹی کے عوض بیچ دیا گیا۔ لیکن یہ بہادر جماعت ویران پہاڑی دروں میں قدم بڑھائے چلی جا رہی تھی۔ رات کے وقت یہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کر ان میں سوتے۔ تیز و تند ہوائیں چلتیں۔ اور بارش کی بوچھاڑ اور برف کا طوفان انہیں شور بور کر دیتا۔ لیکن دن کو پھر اُٹھ کر نہایت بہادرانہ آگے چل دیتے۔ یہانتک کہ وہ "دم جو عرلا" کے خوفناک درے کو بھی عبور کر گئے۔ اس درے میں اسقدر شدید سردی پڑتی تھی۔ کہ اکثر مسافروں کا خون جم جاتا تھا اور وہ وہیں گر کر جاں بحق ہو جاتے تھے۔

آخر بھوک۔ سردی اور تکان کی انتہائی مصیبت برداشت کرنے کے بعد بہادر مس ٹیلر اور اس کے دو ہمراہیوں نے دریائے بوچو کو عبور کیا۔ اور مقدس صوبہ بو میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچکر مس ٹیلر کو جو خوشی ہوئی۔ وہ بیان سے باہر ہے کیونکہ لاسا یہاں سے بالکل قریب تھا۔ اور مس ٹیلر اس کامیابی کے مقابلے میں اپنی تمام مصیبتوں کو ہیچ خیال کرتی تھی۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا۔ کہ ابھی تکلیفیں باقی ہیں +

بزدل نوگا کو مس ٹیلر کا مال اسباب لوٹ کر اور اُسے بے یار و مددگار چھوڑ کر بھی صبر نہ آیا تھا۔ چنانچہ وہ دو دو منزلوں کی ایک ایک منزل کرتا ہوا مس ٹیلر سے پہلے پہنچ گیا۔ اور اُس نے لاسا کے رستوں کے محافظوں کو بتادیا کہ ایک یورپین عورت تمہارے شہر میں داخل ہونے کے لئے آرہی ہے +

مسافروں کو روک لینے کے انتظامات فوراً کر دئے گئے۔ اور جب مس ٹیلر کا قافلہ ایک دشوار گزار گھاٹی میں سے گزر رہا تھا۔ تو چٹانوں کے پیچھے سے دو سپاہی ایک دم جھپٹ کر نکل آئے۔ اور رستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ گفت و شنید کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ مس ٹیلر اور اس کے دونوں نوکر گرفتار کر لئے گئے۔ سپاہی انہیں ایک دیہاتی جیل خانے میں لے گئے۔ یہ جیل خانہ تابوت کی شکل کا ایک گڑھا تھا۔ جو تبتیوں نے زمین میں کھود رکھا تھا۔ تینوں مسافر اس میں بند کر دیئے گئے۔ اور بیس مسلح سپاہی پہرے پر مامور ہو گئے +

یہ جنوری ۱۸۹۳ء کے اوائل کا ذکر ہے۔ مس ٹیلر نے سمجھ لیا۔ کہ اس کی تمام

کوششوں کا یہی انجام ہونا تھا۔ اسے یاس و ناکامی کے اندھیرے میں امید کی ایک ہلکی سی کرن بھی نظر نہ آتی تھی۔ اس کی گرفتاری کی اطلاع لاسا میں بھیجدی گئی تھی۔ جہاں سے یہ ہدایت موصول ہوئی تھی۔ کہ اس عورت سے جیل میں اچھا سلوک کیا جائے۔ چونکہ جیلخانہ صحت کے لئے سخت مضر تھا۔ اس لئے جب مس ٹیلر نے یہ سُنا۔ کہ اس پر مقدمہ چلایا جائیگا۔ تو وہ بہت خوش ہوئی۔ کہ کم از کم اس کال کوٹھڑی سے تو نجات ملے گی۔ دو دن تک مقدمے کی سماعت ہوتی رہی آخر اسے اخراج کا حکم دیا گیا۔

اب چین کی طرف واپس جانا سفر تبت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اگرچہ تبت کے سرکاری عہدہ داروں نے مس ٹیلر کو بعض ضروری اشیاء مہیا کر دی تھیں۔ لیکن شدید سردی کا موسم تھا۔ علاقے کی ساری زمین دلدلی تھی۔ پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ رات کو کھلی زمین پر خیمے کے بغیر سونا پڑتا تھا۔ مناسب غذا کی اسقدر قلت تھی۔ کہ گھوڑوں کو گھاس چارے کے بجائے چائے پلائی جاتی تھی۔ جس میں مکھن اور پنیر ڈال دیا جاتا تھا۔

آخر یہ خوفناک سفر ختم ہوا۔ اور مس ٹیلر پھر ایک دفعہ تاؤ چاؤ پہنچ گئی۔ اس نے اٹھارہ مہینے سفر میں بسر کیے تھے۔ اور جب لاسا تین دن کے رستے پر رہ گیا تو وہاں سے واپس آنا پڑا۔ لیکن مس ٹیلر کو اتنا اطمینان ضرور تھا۔ کہ اس کی ناکامی ایک غیر شخص کی غدّاری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ خود اس نے کسی خطرے یا تکلیف سے منہ نہیں موڑا۔

مس ٹیلر برابر اہلِ تبت کی خدمت میں مصروف رہی۔
آخر ۱۸۹۳ء میں ایک نہایت اہم سیاسی واقعہ ظہور میں آیا۔
تبت اور سکم کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا۔ جس کے رو سے ہندوستان کی
سرحد پر ایک قصبہ یا تونگ برطانوی تاجروں کے لئے کھول دیا گیا۔ مس ٹیلر
جھٹ یا تونگ میں سوداگر بن گئی۔ اور کئی سال تک سوداگری کے بھیس میں اپنے
مذہب کی خدمت کرتی رہی۔ اگرچہ مس ٹیلر کو لاسا کے اندر جانا نصیب نہ ہوا لیکن
اس میں شک نہیں۔ کہ "ارض ممنوعہ" میں سب سے پہلے داخل ہونے کا فخر اسی
خاتون کو حاصل ہے +

The Voyage to North

قطب شمالی کا سفر

بحر منجمد شمالی اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں برف اور آسمان کے سوا اور کسی چیز کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔ درخت کھیتیاں۔ مکانات۔ پھل پھول۔ سبزی ترکاری غرض کوئی چیز نظر نہیں آتی + صرف کہیں کہیں اسکیمو قوم کے بعض لوگ نہایت بھاری بھاری پوستینیں پہنے نظر آجاتے ہیں۔ یہ لوگ بے پہیئے کی برفانی گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں۔ جنہیں کتّے یا رینڈیر کھینچتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس علاقے میں دریائی بچھڑے۔ والرس۔ سفید ریچھ۔ ویل۔ لومڑ۔ اور اور قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں۔ اور اسکیمو لوگ انہی جانوروں سے خوراک و پوشاک کا سامان اور جلانے کے لئے تیل حاصل کرتے ہیں + جب اس علاقے میں سردی کا موسم آتا ہے۔ تو سورج مہینوں تک نہیں نکلتا۔ اس زمانے میں یہ لوگ برف کی بڑی بڑی سلوں کے بھٹ سے بنا کر اُن کے اندر گھسے رہتے ہیں۔ اور جب موسم گرما آتا ہے۔ اور برف پگھلنے لگتی ہے۔ تو پھر جانوروں کی کھالوں کے خیمے تان لیتے ہیں +

چونکہ یہ علاقہ اور قطب شمالی ہمیشہ انسانوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہا ہے۔ اس لئے بعض انسانوں نے اس کے رازوں کو بے نقاب کرنے کے لئے بارہا کمر ہمّت باندھی ہے۔ اور اکثر شیر دل ناخداؤں اور سیاحوں نے اس برفانی ویرانے

میں خطرات کا مردانہ وار سامنا کیا ہے + سر ہیو ولوبی۔ رچرڈ چانسلر فروبیشر۔ ڈیوس اور دیگر بے شمار باہمت سیاحوں نے اس علاقے کا بہت سا حصّہ دریافت کیا۔ ان کے بعد ہالینڈ سے بیرنٹس اور اس کے ساتھی روانہ ہوئے۔ اور اپنے ساتھ مخمل اور ریشم کے کپڑے لیتے گئے۔ کیونکہ انہیں امید تھی۔ کہ ہم شمال کی طرف سے چین کا رستہ دریافت کر لینگے۔ اور پھر مزے سے اس مُلک کے ساتھ تجارت کرینگے + جب سردی کا موسم آیا۔ اور طوفان نے رستہ بند کر دیا۔ تو ان لوگوں نے مجبور ہو کر اپنا جہاز کنارے پر لگا دیا۔ اور نہایت مصیبت میں وہ چھ مہینے کی رات بسر کی۔ ریچھ اور لومڑ اُن کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ اور ان غریبوں کو رہ رہ کر گھر یاد آتے تھے۔ آخر جب موسم بہار آیا۔ تو اُنھوں نے ایک کھلی کشتی تیار کی۔ اور اس میں سوار ہو کر واپس چل دئے۔ شمالی یورپ میں ایک جہاز نے ان کی مدد کی۔ اور انہیں ہالینڈ لے آیا۔ لیکن بہادر بیرنٹس کا اس کشتی ہی میں انتقال ہو گیا +

اِن لوگوں کی واپسی سے ۲۷۴ سال بعد ناروے کے کسی جہاز کے کپتان نے چند چیزیں ڈھونڈ نکالیں۔ جو بیرنٹس اور اس کے ساتھیوں نے بحرِ منجمد کے زمانۂ قیام میں تیار کر کے اپنے پاس رکھی تھیں۔ ان میں بعض اوزار تھے۔ کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں۔ کچھ کپڑے کے ٹکڑے تھے۔ اور چند بتیاں تھیں۔ جو اب بھی جل سکتی تھیں۔ یہ چیزیں ہالینڈ کے حوالے کر دی گئیں۔ چنانچہ اب تک اسٹرڈم کے عجائب خانے میں رکھی ہیں۔ اور ولندیزوں کو ان کے بہادر بزرگوں کی یاد دلاتی ہیں +

اس کے بعد بھی سیاحوں کی روانگی کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ہڈسن۔ بیفن۔ بیرنگ لِک۔ جان راس۔ جیمز راس اور پیری نے بہت سے مقامات۔ بہت سی راسیں آبنائیں۔ جزائر اور سواحل دریافت کئے۔ آخر سر جان فرینکلن نے بہت سے سفر کئے۔ کئی میل تک ساحل کے پاس پاس سفر کیا۔ لیکن آخر انتہائی محنت اور جفاکشی کے باعث ۱۱۔ جون ۱۸۴۷ء کو انتقال کر گئے۔ اور ان کے قافلے کا بھی کوئی آدمی زندہ نہ بچا۔ کئی سال بعد بعض مسافروں نے ان کی نعشوں اور ان کی مملوکہ چیزوں کا سراغ لگایا۔ جو اب تک لندن کے گرینوچ ہسپتال میں رکھی ہیں +

پھر ۱۸۵۱ء میں میک لیور نے بحر منجمد شمالی کا سفر کیا۔ ڈاکٹر ایلیشیا کینٹ کین۔ ڈاکٹر آئزک ہیسز۔ چارلس فرانسس ہال اور بعض دیگر اشخاص بھی روانہ ہوئے۔ کپتان ہال پانچ سال تک اسکیمو قوم کے ساتھ رہے۔ اور بعد میں ایک کتاب لکھی۔ جس میں اُن لوگوں کی طرز زندگی کے متعلق بہت قیمتی معلومات درج کی ہیں +

اس کے بعد سالہا سال تک اکثر ناخداؤں اور سیاحوں نے بحر منجمد شمالی کا سفر کیا۔ کسی نے گرین لینڈ کا بالائی ساحل دریافت کر لیا۔ کسی نے یورپ سے ایشیا تک کا شمالی بحری رستہ دریافت کر لیا۔ کسی نے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کر کے راسوں اور خلیجوں کا پتہ چلایا۔ لیکن قطب کے آس پاس کوئی نہ پہنچ سکا +

آخر لفٹننٹ پیری کو جس نے گرین لینڈ دریافت کیا تھا۔ قطب شمالی پر پہنچنے کا خیال آیا۔ اس نے ۱۸۹۸ء میں ایک سفر کیا۔ جس میں ناکامی ہوئی۔ لیکن ناکام رہ کر بھی انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ پیری کو جسقدر ناکامیاں ہوتی گئیں

اسی قدر کامیابی کی صورتیں زیادہ تر نکلتی چلی آئیں۔ بعض معزز لوگوں کو لفٹنٹ پیری کے اس سفر سے بے انتہا دلچسپی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کے نام پر ایک انجمن قائم کر دی۔ اور چندہ جمع کر کے اس بہادر سیاح کی امداد کرنے لگے۔ جب اُنہیں یہ معلوم ہُوا۔ کہ شمالی سمندر میں بعض اوقات برف کے عظیم الشان ٹکڑے جہازوں سے ٹکرا کر انہیں چور چور کر دیتے ہیں۔ اور معمولی جہازوں سے کام نہ چلے گا۔ تو اُنہوں نے انجمن کی طرف سے ایک جہاز تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ اس جہاز کے انجن بہت طاقتور تھے۔ اور جہاز کے بیرونی حصّے کی ساخت ہر موقع پر ایسی مضبوط بنا دی گئی تھی۔ کہ برف کے تصادم کو آسانی سے برداشت کر سکے۔ جہاز کا اگلا حصّہ بہت نکیلا اور تیز رکھا گیا۔ تاکہ چلنے میں برف کا تختہ خود بخود کٹتا چلا جائے۔ اس جہاز کا نام "روزولٹ" رکھا گیا۔ اور ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء کے سفر میں کمانڈر پیری نے اس سے کام لیا۔ گو کمانڈر کو اس سفر میں کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن وہ اتنی دور تک ہو آیا۔ کہ اب تک کسی ناخدا کو اتنی توفیق نہ ہوئی تھی۔ قطب شمالی کوئی دو سو میل دُور رہ گیا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں وہ جہاز از سرِ نو درست کیا گیا۔ نئے انجن لگائے گئے اور بہت سی ضروری تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ اس دفعہ جو جماعت سفر کے لئے تیار ہُوئی۔ اس کا افسر کپتان رابرٹ بارٹلٹ تھا۔ یہ شخص نیو فاؤنڈلینڈ کا رہنے والا اور بہت چابکدست ملّاح تھا۔

یہ جہاز گرین لینڈ کے ساحل سے اُوپر کی طرف چلا۔ اور ایٹہ جا کر لنگر انداز ہُوا۔ یہاں سے کپتان بارٹلٹ نے ۲۲۔ اسکیمو مرد۔ سترہ عورتیں۔ دس بچّے اور دو سو چھبیس

گنتے ساتھ لے لیتے۔ اگرچہ رستے میں برف نے بارہا جہاز کو روکنے کی کوشش کی۔
لیکن ۵۔ دسمبر کو جہاز راس شیریڈن پہنچ گیا۔
اس قسم کے سرد علاقوں میں جسم کو گرم رکھنے کے لئے کپڑا حاصل کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ کیونکہ اگر انسان بالکل ہی لاچار ہو جائے۔ تو کسی جانور کو مار کر اس کی کھال اوڑھ سکتا ہے۔ لیکن کھانے کا معاملہ بہت نازک ہے۔ وہاں تو کوئی ایسی چیز چاہیئے۔ جو طاقت بخش بھی ہو۔ اور تھوڑی بھی ہو۔ تاکہ اسے اُٹھائے اُٹھائے پھرنے میں کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے۔ بہت سی سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا۔ کہ "پیمیکن" سب سے اچھی غذا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ گائے یا بھیڑ بکری کے گوشت کو خشک کر کے پیس لیتے ہیں۔ اور اس میں چربی ملا کر کام میں لاتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ شکر بھی ہو۔ تو بہت ہی اچھا ہے۔ کیونکہ "پیمیکن" سے طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور شکر حرارت پیدا کرتی ہے۔
کمانڈر پیری بھی قافلے میں شریک تھا۔ بارٹلٹ تو جہاز کا کپتان تھا۔ اور پیری قافلے کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ اپنے قافلے میں تخفیف کرنی شروع کر دی۔ تاکہ آگے بڑھنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہ ہو۔ اس نے ٹولیوں کی ٹولیاں واپس جہاز پر بھیجنی شروع کر دیں۔ جب یہ جماعت چلتے چلتے قطب شمالی سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر رہ گئی۔ تو کپتان بارٹلٹ بھی آخری ٹولی کے ساتھ واپس چلا گیا۔ اور کمانڈر پیری۔ ہینسن اور چار اسکیمو آدمی سیدھے قطب کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ سفر بہت سرگرمی سے پورا ہوا۔ اور

آخرکار ۶- اپریل ۱۹۰۹ء کو آلات سے معلوم ہُوا۔ کہ جماعت عین قطب پر پہنچ چکی ہے۔ بہت سے جھنڈے بلند کیئے گیئے۔ اور جماعت نے وہاں ڈیرا ڈال دیا ۔

کمانڈر پیری نے قطب کے آس پاس کئی میل تک سفر کیا۔ اور کوئی تیس گھنٹے تک مختلف مقامات پر مشاہدات میں مصروف رہا۔ بے شمار مناظر کے فوٹو بھی لیئے۔ اب یہ سوال تھا۔ کہ یہاں سے واپس کیونکر جائیں۔ اس سے پیشتر بہت سے ناخدا اور سیّاح اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد عین واپسی کے وقت ہلاک ہو گیئے تھے۔ اور یہ خیال کمانڈر پیری اور اس کے رفقا کو بھی اندوہناک بنا رہا تھا۔ لیکن آخر اُنہوں نے تمام غیر ضروری چیزیں وہیں چھوڑ دیں۔ اور دوسرے دن یعنی ۷- اپریل کو واپس روانہ ہُوئے۔ رستے میں جا بجا ان کی آمد کے نشانات موجود تھے۔ ایک ماہ پہلے اُنہوں نے جو برف کی جھونپڑیاں بنائی تھیں۔ وہ بھی بدستور قائم تھیں۔ اس لیئے انہیں رستہ ڈھونڈنے میں دقّت نہیں ہوئی۔ قطب سے روانہ ہونے کے سولہ دن بعد اُنہیں زمین نظر آئی۔ اور وہاں سے دو دن میں جہاز پر پہنچ گیئے۔ لیکن وہاں ایک اَور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاز کے گرداگرد برف جم گئی۔ اور وُہ کوئی دو مہینے تک وہیں کا وہیں گڑا رہا۔ اس مُدّت میں کمانڈر پیری۔ کپتان بارٹلٹ اور اُن کے رفقا آس پاس کے علاقے کی سیاحت کرتے اور شکار کھیلتے رہے۔ آخر بڑی مشکل سے برف نے جہاز کا دامن چھوڑا۔ اور یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو کر لیبراڈور پہنچے ۔

امریکہ کی کانگرس (یعنی پارلیمنٹ) نے کمانڈر پیری کی شاندار خدمات کے صلے میں اسے ریئر ایڈمیرل (امیرالبحر حصۂ عقبی) کا اعزاز عطا کیا ۔

The Voyage to South

قطبِ جنوبی کا سفر

جب انگلستان کے ایک اولوالعزم ناخدا کپتان سکاٹ نے قطب جنوبی تک پہنچنے کے لئے سفر کا ارادہ کیا۔ تو "ٹیرانووا" جہاز میں ساٹھ ایسے آدمی فراہم کئے گئے۔ جو اپنے اپنے فن کے ماہر خصوصی تھے۔ ان میں طبقات الارض کے ماہرین۔ ڈاکٹر۔ فوٹوگرافر۔ ماہرین فلکیات۔ موٹر چلانے والے۔ ملاح اور دیگر ملازم شامل تھے۔ کچھ کتے بھی ساتھ لے لئے گئے تھے۔ اور ان کی خبرگیری اور سارے قافلے کے لئے کھانا پکانے کے لئے بھی چند آدمی مخصوص کر دئے گئے۔ غرض یہ قافلہ ہر اعتبار سے قابل منتخب۔ بہادر۔ مہذب اور سرگرم اشخاص پر مشتمل تھا۔ اور اس سے پیشتر قطب کے سفر کے لئے ایسی موزوں جماعت کبھی نہ بھیجی گئی تھی۔ چنانچہ جب ۲۶۔ نومبر ۱۹۱۰ء کو "ٹیرانووا" نیوزی لینڈ سے روانہ ہوا ہے۔ تو سب کو اس کی کامیابی پر پورا یقین تھا۔

جنوبی سمندر کے سفر میں کوئی بہت زیادہ واقعات پیش نہیں آئے۔ صرف دسمبر کے اوائل میں ایک بہت بڑا طوفان آیا۔ سمندر کی موجیں جہاز کو بہت بری طرح دھکیل اور اچھال رہی تھیں۔ ناخدا انتہائی احتیاط سے اس کو چلا رہے تھے۔ جہاز میں بہت سا پانی جمع ہو گیا تھا۔ جسے نکالنے میں ملاحوں کو سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ آخر بھاپ کی قوت اور بادبانوں کی مدد سے ٹیرانووا اس مصیبت سے

نجات پاکر نکل آیا۔ اور ۹۔ دسمبر کو ایسے مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں سمندر یخ بستہ ہو رہا تھا۔ سیّاحوں نے مجبور ہو کر اپنا رخ بدل لیا۔ اور شمال کی طرف چلے۔ کیونکہ اس طرف برف میں ایک شگاف موجود تھا۔ جس میں جہاز چلایا جا سکتا تھا + کرسمس کے دنوں میں بھی جہاز یخ بستہ سمندر ہی میں چلا جا رہا تھا۔ کہ وہاں ان ملّاحوں نے اپنے انگریزی انداز میں یہ تیوہار منایا۔ ۳۰۔ دسمبر تک وہ اس برف کے میدان سے باہر نکل آئے۔ اور راس کروزیر کی طرف چل دیئے۔ جو اس برفانی علاقے کا آخری مقام تھا۔ ان سیاحوں کا ارادہ یہ تھا۔ کہ موسم سرما کے دوران میں اسی راس کو اپنا مستقر بنائیں لیکن سخت کوشش کے باوجود اس راس تک نہ پہنچ سکے۔ سمندر کا تمام ساحل برفپوش ہو رہا تھا۔ اس لیئے کسی جگہ بھی اترنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ راس رایڈز کی طرف چل دئے۔ لیکن برف کی کثرت کے باعث انہیں اس راس پر پہنچنا بھی نصیب نہ ہو سکا۔ اس لئے جہاز راس سکوا رای کی طرف چل دیا۔ جسے اب راس ایونز بھی کہتے ہیں +

یہاں یہ لوگ اتر پڑے۔ اور کوئی ایک ہفتے تک اپنے ذخائر کو کنارے پر لے جانے میں بے انتہا محنت کرتے رہے۔ ٹٹوؤں اور کتّوں کو بھی اتارا۔ اور برف پر پھسلنے والی گاڑیاں بھی ساحل پر لے جا کر خالی کیں۔ ایک جھونپڑی کے مختلف ٹکڑے جہاز میں رکھے تھے۔ وہ بھی کنارے پر پہنچا دیئے گئے۔ اور اس کی تعمیر کے لئے ایک مناسب قطعہ زمین صاف کر لیا گیا۔ لیکن ان دنوں اس قافلے کو ایک سخت مصیبت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ان کے پاس تین برفانی

موٹریں تھیں۔ جن میں سے ایک پر انہوں نے اپنے دخائر لادے تھے لیکن وہ برف میں سے پھسل کر سمندر میں غرق ہوگئی۔ اور پھر اس کا نشان تک نظر نہ آیا +

۱۴۔ جنوری تک قیام کے تمام سازوسامان مکمل ہوگئے۔ اور کپتان سکاٹ گاڑی میں سوار ہوکر "ہٹ پائینٹ" پہنچا۔ جو مغرب میں چند میل کے فاصلے پر واقع تھا اس جگہ سکاٹ نے اپنی پہلی مہم میں جو سنہ ۱۹۰۱ء میں انگلستان سے بھیجی گئی تھی قیام کیا تھا۔ دوسری مہم میں قافلے کے چند آدمی اس جھونپڑی میں بھی رکھے گئے۔ اور ٹیلیفون کا سلسلہ دونوں جھونپڑیوں کے درمیان قائم کر دیا گیا +

ان لوگوں نے برف کی سطح پر جو چوبی مکان تیار کیا۔ وہ پچاس فٹ لمبا اور پچیس فٹ چوڑا تھا۔ اور اس کے آگے نو فٹ کا ایک چھجا بنایا گیا تھا۔ اس مکان میں افسروں اور دوسرے آدمیوں کے کمرے تھے۔ ایک لیبارٹری۔ ایک تاریک کمرہ اور ایک کارخانہ تھا۔ مکان میں کتابیں اور تصویریں بھی تھیں۔ چند ایسی انگیٹھیاں بھی نصب کی گئی تھیں۔ جو مکان میں مناسب درجے تک حرارت کو قائم رکھتی تھیں۔ اصطبل اس مکان کے شمال میں اور مودی خانہ جنوب میں بنایا گیا تھا۔ جھونپڑی میں ایک پیانو اور ایک گراموفون بھی موجود تھا۔ تاکہ سرما کی طویل راتیں کسی قدر تفریح کے ساتھ گزاری جا سکیں۔ مسٹر پونٹنگ فوٹوگرافر کے پاس ایک جادو کی لالٹین بھی تھی۔ جس کے ذریعے سے وہ مختلف قسم کی تصویریں دکھا کر لکچر دیا کرتا تھا۔ اور ہمراہیوں کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کرتا تھا +

۲۵۔ جنوری کو ایک اور کام شروع کر دیا گیا۔ یعنی جنوب کی طرف کوئی ایک

سو میل کے فاصلے پر ایک ڈیپو تعمیر ہونے لگا۔ ٹٹو اور کتے اس کام میں استعمال کئے گئے۔ اور اس مصروفیت میں کوئی ایک مہینہ صرف ہو گیا۔ برفپوش علاقہ کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس آمد و رفت میں اہل قافلہ کو موسم کی خرابی کے باعث سخت تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ آدمیوں کی ایک جماعت کہیں غائب ہو گئی۔ اور سخت مصیبت اُٹھانے کے بعد ملی۔ قصہ مختصر کہیں ۱۳۔ اپریل کو جا کر ڈیپو تعمیر کرنے والی جماعت اپنے کام سے فارغ ہوئی۔ اور جھونپڑی میں واپس آئی۔ لیکن اس کے بعض جانور موسم کی سختیوں کے باعث جانبر نہ ہو سکے۔ اور وہیں برف میں دب کر مر گئے۔ چند روز بعد موسم سرما کی طویل راتیں شروع ہو گئیں۔ اور یہ لوگ اپنی سرمائی قیام گاہوں میں بیٹھ کر سورج کے طلوع کا انتظار کرنے لگے۔ جہاز اس اثنا میں نیوزی لینڈ واپس جا چکا تھا۔

اس قافلے نے موسم سرما کے طویل مہینوں میں آس پاس کے علاقے کی طبعی تحقیقات کی۔ وہ ہر شام جادو کی لالٹین کے لکچر سنتے۔ اور مختلف مسائل پر غور و بحث کرتے جانوروں کی دیکھ بھال اور اُن کے رکھ رکھاؤ میں خاص توجہ سے کام لیا جانے لگا۔ کیونکہ اُن کی سلامتی قافلے کے مقصد کے لئے بہت ضروری تھی۔ ایک جماعت تیار کر کے راس کروزیر کی طرف بھیجی گئی۔ یہ سفر پانچ ہفتے میں ختم ہوا۔ اور اہل جماعت نے شدید ترین تکالیف اُٹھائیں۔ لیکن اس سفر میں جو حیرت انگیز اور بیش بہا مناظر دکھائی دیئے۔ اُن سے تمام تکلیفوں کا معاوضہ وصول ہو گیا۔

اہلِ قافلہ نے اس مہم کی طبیعی حیثیت کو ہر وقت مدِنظر رکھا۔ اور جب سورج ازسرِنو جلوہ افروز ہُوا۔ تو ایک جماعت مغرب کی طرف روانہ ہوئی۔ تاکہ اس علاقے پر بہار کے اثرات کا معائنہ کرے۔ اس جماعت کا سردار خود سکاٹ تھا۔ اس سفر میں ۱۷۵ میل کا فاصلہ طے کیا گیا۔ اور تیرہ دن صرف ہوئے +

اب ہم قطب کے عظیم الشان سفر کا حال بیان کرتے ہیں جس میں اہلِ قافلہ کو آٹھ سو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ ۲۴۔ اکتوبر کو دو موٹر گاڑیاں بھیجی گئیں۔ ایک تو کپتان ایونز اور ڈے کے زیرِ نگرانی تھی۔ اور دوسری کا افسر لفٹنٹ لیشلی تھا۔ یہ لوگ گویا قطبِ جنوبی کی مہم کے ہراول تھے۔ ۲۶۔ اکتوبر کو "ہٹ پائینٹ" سے ٹیلیفون کا ایک پیغام آیا۔ کہ یہ گاڑیاں مشکلات میں پھنس گئی ہیں۔ کپتان سکاٹ سات آدمیوں کو ساتھ لے کر فوراً وہاں پہنچا۔ اور بے انتہا محنت سے مشکلات رفع کیں۔ اس کے بعد وہ گاڑیاں پھر روانہ ہوئیں۔ اور کپتان سکاٹ اپنے آدمیوں کو ساتھ لیکر راس ایونز کو واپس آ گیا۔ تاکہ وہاں پہنچکر خود بھی جنوب کے سفر کی تیاری کرے +

یہ جنوبی جماعت یکم نومبر کو روانہ ہوئی۔ اس میں دس آدمی تھے۔ دس ٹٹّو گاڑیاں کھینچ رہے تھے۔ اور ہر ایک ٹٹّو ایک ایک آدمی کے سپرد تھا۔ دو آدمیوں کو کُتّوں کا اہتمام سپرد کیا گیا تھا۔ تاکہ اگر ٹٹّو تھک کر رہ جائیں۔ تو کُتّے ان کی جگہ لیں۔ تمام حالات خوشگوار تھے۔ یہ جماعت ہنسی خوشی روانہ ہو کر پہلے سٹیشن یعنی "ہٹ پائینٹ" پر بخیر و عافیت پہنچ گئی۔ یہاں سے یہ قافلہ تین جماعتوں میں تقسیم ہو گیا۔ سب سے آہستہ چلنے والی جماعت پہلے روانہ ہوئی۔ اور اس کے بعد باقی دو جماعتیں تھوڑے

تھوڑے وقفہ کے بعد چلیں۔ تاکہ ایک دن کی مدت ختم ہونے پر یہ تینوں جماعتیں یکجا جمع ہو جائیں۔ سب سے اگلی جماعت اپنے پیرووں کی رہنمائی کے لئے رستے میں جا بجا پتھروں کے ڈھیر لگاتی چلی آتی تھی۔ اور خود سکاٹ نے بھی اپنے رستے پر اس قسم کے نشانات قائم کر رکھے تھے۔ ۲۰۔ تاریخ کو سکاٹ نے ایک مقام پر کیا دیکھا۔ کہ کپتان ایونز اور ڈے کی ایک گاڑی برف کی سطح پر ٹکڑے ٹکڑے ہوئی پڑی ہے۔ بات یہ ہوئی۔ کہ موٹر کا ایک سلنڈر بگڑ گیا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ اسے وہیں چھوڑ کر دوسری گاڑی میں چلے گئے تھے۔ یہ بدقسمتی کا پہلا مظاہرہ تھا۔ یہ لوگ جس مقام کی طرف جا رہے تھے۔ اس کا نام "ون ٹن ڈیپو" تھا۔ لیکن رستہ اتنا دشوار گزار تھا۔ کہ خدا کی پناہ۔ برف کی بوچھاڑیں سر و سینہ میں سوراخ ڈال رہی تھیں۔ ٹٹو بیمار پڑ پڑ جاتے تھے۔ وہ کسی دن دس میل سے زیادہ سفر نہ کر سکتے تھے۔ اور جب اس سفر سے بھی فارغ ہوتے۔ تو جہاں قیام کرتے۔ وہاں تیز ہوا اور برفانی طوفان سے ان کی حفاظت کرنے کے لئے برف کی دیواریں کھڑی کرنی پڑتیں۔ آخر سفر کے لئے رات کا وقت تجویز کرنا پڑا۔ کیونکہ اس طرح سورج کی تمازت سے محفوظ رہتے تھے۔ اگرچہ اس عرض بلد پر سورج کی روشنی اور حرارت نام نہاد سی ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود جب ٹٹو اس خوفناک زمین پر دن کے وقت چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ تو سورج کی گرمی سے پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔ آخر وہ لوگ "ون ٹن ڈیپو" پہنچ گئے۔ اور ایونز کی جماعت سے جا ملے۔ یہ جماعت چھ دن سے وہیں اپنے ساتھیوں کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اور آگے بڑھنے سے عاجز ہو رہی تھی +

یہ جماعت اب پھر آگے بڑھی۔ اور پھر حسبِ معمول تکالیف و مصائب نے اس کا استقبال کیا۔ ٹٹوؤں کا حال بھی بدستور پتلا تھا۔ آخر ۲۴۔ تاریخ کو ایک ٹٹو کے گولی مار دی گئی۔ اور پہلی جماعت جس میں ڈے اور ہاپر تھے۔ واپس صدر مقام پر بھیجدی گئی۔ دو دن بعد" مڈل بیریر ڈیپو" قائم کیا گیا۔ اور ۲۸۔ تاریخ کو دوسرا ٹٹو بھی مار ڈالا گیا۔ اور اس کا گوشت کتوں کو ڈال دیا گیا۔ کیونکہ ان کے لئے خوراک باقی نہ رہی تھی۔

یکم دسمبر کو ایک اور ڈیپو قائم کیا گیا۔ جس سے اس جماعت کا بوجھ اور بھی کم ہو گیا۔ لیکن موسم نے نہایت ناگوار صورت اختیار کرلی۔ ۳۔ ۴۔ اور ۵ دسمبر کو بہت زور کے برفانی طوفان آئے۔ جن سے آگے بڑھنا سخت دشوار ہو گیا۔ اور آخری طوفان نے تو ان لوگوں کو چار دن تک روکے رکھا۔ اس دوران میں اشیائے خوردنی اور ایندھن تو بدستور صرف ہوتا رہا۔ لیکن منزل ایک بھی طے نہ ہوئی۔ سکاٹ اور اس کے ساتھی اپنے خیموں کے اندر قیدی بنے بیٹھے تھے۔ اضطراب ہر دم زیادہ ہو رہا تھا۔ جانور روز بروز بلکہ ساعت بساعت کمزور ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور بیکاری کا ہر ایک دن ان کی کامیابی کو موہوم بنا رہا تھا۔ سکاٹ حیران تھا۔ کہ سال کے اس حصّے میں جب موسم نہایت موافق ہونا چاہیے تھا۔ ہوا میں اسقدر طوفانی کیفیّت کیوں پیدا ہو رہی ہے۔ جب ان لوگوں کو کھانے پینے کی ان چیزوں پر ہاتھ ڈالنا پڑا۔ جو برفستان تک پہنچنے سے پہلے صرف نہ ہونی چاہیے تھیں۔ تو یہ سب شکستہ دل اور مایوس ہو گئے۔ آخر کار طوفان

تھم گیا۔ اور یہ سربازوہ انسان ٹھٹھرتے ہوئے آگے روانہ ہوئے۔ ان کے ٹٹو روز بروز بہت ہی زیادہ نحیف ہوتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ۹۔ دسمبر کو ایک مقام پر پہنچ کر سب کے گولی ماردی گئی۔ اس مقام کا نام انہوں نے "شیمبلز" رکھا تھا۔

اس کے بعد برفانی گاڑیوں میں کتے جوت دیئے گئے۔ اور ۱۰۔ دسمبر کو ان سیاحوں نے بیئرڈمور کے برفستان پر چڑھنا شروع کیا۔ جس کی چوٹی کئی ہزار فٹ بلند تھی۔ دو آدمی میئرز اور اٹکنسن تو یہاں سے ۱۱۔ تاریخ کو مستقر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور باقی رفقا نے اوپر کا رخ کیا۔ کبھی انہیں خطرناک رستوں سے بچنے کے لئے اُلٹے پاؤں واپس آنا پڑتا۔ اور کبھی وہ نہایت بہادری سے برفستان پر چڑھتے چلے جاتے۔ لیکن ہر حالت میں یہ خطرہ ان کو لاحق رہتا تھا۔ کہ کہیں کسی دراڑ میں نہ گر پڑیں۔ اور برف کی سطح کے نیچے ڈوب نہ جائیں۔ کئی گھنٹے کی سخت محنت کے بعد انہیں معلوم ہوا۔ کہ اب تک صرف چار ہی میل کا رستہ طے ہوا ہے۔ حالانکہ انہیں دس میل کی امید تھی۔ جب تک دوسری جماعت ۲۲۔ تاریخ کو وہاں سے روانہ ہو۔ یہ لوگ سات ہزار ایک سو فٹ کی بلندی پر پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے چاروں طرف دھند چھا رہی تھی۔

جب یہ لوگ ۲۲۔ تاریخ کو پھر روانہ ہوئے۔ تو ان کی جماعت میں صرف آٹھ آدمی تھے۔ یہ لوگ نہایت مردانگی سے بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں۔ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کیا۔ لیکن حالت مجبوری کے سوا کسی

جگہ توقف نہ کیا۔ آخر ۳۱۔ دسمبر کو انہوں نے ایک اور ڈپو قائم کیا۔ اور ۴۔ جنوری کو تین اور آدمیوں کو واپس بھیجدیا۔ اب کپتان سکاٹ۔ کپتان اوٹس۔ ایونز۔ ڈاکٹر ولسن اور لفٹننٹ بوورز کل پانچ آدمی باقی رہ گئے۔ جنہیں قطب تک پہنچنا تھا۔ ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ باقی تھا۔ اور ان لوگوں کے پاس ایک مہینے سے زیادہ کا راشن موجود تھا +

ان لوگوں کے پاس دس فُٹی گاڑیاں تھیں۔ جن کی صفائی اور موزونیت قابل تعریف تھی۔ بارہ فٹی گاڑیاں جو کسی قدر بھاری تھیں۔ واپس بھیجدی گئی تھیں۔ کُتّے بھی بھیج دیئے گئے تھے۔ اس لئے گاڑیاں کھینچنے کا کام بھی انسانوں ہی کو کرنا پڑتا تھا۔ ۷۔ تاریخ کو برف کی سطح کچھ ایسی ناہموار اور دشوار گزار نظر آئی۔ کہ انہیں اپنے برفانی جُوتے وہیں چھوڑنے پڑے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں سطح نہایت صاف شفاف نظر آنے لگی۔ اور پھر ان جوتوں کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ وہ واپس جاکر جُوتے لے آئے۔ اور اس آمدورفت میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ خرچ ہوگیا۔ اب وہ چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ برفانی طوفان شور مچا رہا تھا۔ اگرچہ یہاں انہیں تاخیر کرنی پڑی۔ لیکن آرام کا موقع ضرور مل گیا۔ جس کی سخت ضرورت لاحق ہو رہی تھی۔ خصوصاً ایونز کو جس کو گاڑی کھینچتے ہُوئے ہاتھ پر سخت چوٹ آگئی تھی +

۹۔ تاریخ کو ان لوگوں نے عظیم الشان قطبی سطح مرتفع کو عبور کرنا شروع کیا۔ اور ۱۰۔ کو اور بہت سے ذخائر رستے میں چھوڑ دیئے۔ بوجھ ہلکا ہونے کے باعث انہیں بہت اطمینان ہُوا۔ لیکن پھر بھی گاڑیاں اسقدر مشکل سے کھنچتی تھیں۔ کہ جب

۱۱-کو یہ لوگ قطب سے صرف ۴۷ میل دُور رہ گئے تھے۔ سکاٹ یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں سات دِن تک بھی گزارہ ہوتا ہے یا نہیں۔ ۱۵-تاریخ کو اُنہوں نے ایک اور ڈیپو قائم کیا۔ اور بوجھ اور بھی ہلکا کرکے روانہ ہُوئے۔ ۱۶-کو انہیں معلوم ہُوا۔ کہ بس اب قطب کوئی دو منزل دُور ہے۔ اس وقت ان کے پاس ۹ دن کا راشن موجود تھا۔ اور ان کے پیچھے بھی چار دن کی خوراک ڈیپو میں محفوظ تھی۔ لہٰذا اُنہوں نے سمجھ لیا۔ کہ اگر موسم خوشگوار رہا۔ تو کامیابی یقینی ہے +

ان بہادر آدمیوں کو جو اس قسم کی خوفناک مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ یہ خیال پریشان کر رہا تھا۔ کہ ناروے کا ایک کپتان امنڈسن بھی انہی کی طرح سب سے پہلے قطب پر پہنچنا چاہتا ہے۔ اور اسے بہت زیادہ مصیبتوں کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ اُن سے بہتر حالات میں اس مہم پر روانہ ہُوا ہے۔ وہ سوچ رہے تھے۔ کہ اگر ہم منزلِ مقصود پر پہنچ بھی گئے۔ اور وہاں ایک غیر مُلکی پرچم لہراتا ہُوا نظر آیا۔ تو ہمارے حوصلوں کا کیا حال ہوگا +

دوسرے دن ۱۶-تاریخ کو اُن کی امیدوں کا قصر دھڑام سے گر پڑا۔ اس سفید میدان میں دُور فاصلے پر ایک چھوٹا سا سیاہ داغ نظر آ رہا تھا۔ جسے اِن لوگوں نے دُوربین سے دیکھا تو معلوم ہُوا۔ کہ ایک سیاہ جھنڈا ہے۔ جو ایک برفانی گاڑی سے بندھا ہُوا لہرا رہا ہے۔ ناروے کا کپتان اس میدان سے گوئے سبقت لے جا چکا تھا۔ سکاٹ نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ " یہ مایوسی ہولناک ہے۔ اور میں اپنے جاں نثار ساتھیوں سے معذرت خواہ ہوں۔ ہمارے دماغوں میں

بہت سے خیالات موجزن ہوئے۔ اور ہم نے آپس میں بہت سی بحث کی لیکن کل ہم قطب پر پہنچیں گے۔ اور وہاں سے پوری سرعت کے ساتھ گھر کو واپس روانہ ہو جائینگے۔ تمام خیالی قلعے مسمار ہو چکے ہیں۔ اور واپسی کا سفر انتہائی ماندگی کا باعث ہے +

دوسرے دن یہ لوگ قطب شمالی پر پہنچ گئے۔ اور اس ہیبتناک خاموشی و تنہائی میں عظیم الشان سیاح چلا اٹھا۔ "اللہ اکبر! یہ کتنا ہیبتناک مقام ہے۔ افسوس کہ ہم انتہائی جفاکشی کے باوجود اس پر سب سے پہلے نہ پہنچ سکے!"

بلاشبہ کپتان سکاٹ اور ان کے ساتھی منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے لیکن فتح وظفر کی مسرت ان کے حصّے میں نہ تھی۔ کیونکہ امنڈسن کی تحریروں سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ قطب پر کوئی ایک مہینہ پہلے پہنچ چکا تھا۔ سکاٹ لکھتا ہے۔ کہ ہم نے "غریب ہزیمت خوردہ یونین جیک" بھی وہاں قطب پر نصب کر دیا۔ اور پھر شمال کی طرف روانہ ہوئے سطح مرتفع اور برفستان میں موسم روز بروز ناگوار ہو رہا تھا۔" سکاٹ کے ساتھی جو جاتے وقت نہایت بلند حوصلہ اور چاق و چست تھے۔ واپس آتے وقت شکستگی کی تصویر بن رہے تھے۔ ایونز کی ناک اور انگلیوں پر کہرے نے کچھ ایسی آفت ڈھائی تھی۔ کہ وہ بیچارا شدت درد سے بیتاب ہوا جاتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ برفستان سے اُتر رہا تھا۔ تو برف کے بڑے بڑے تودوں میں گر پڑا۔ اور سر میں سخت چوٹ آئی۔ جس سے دماغ کو بھی صدمہ پہنچا۔ ڈاکٹر ولسن کی ٹانگ پر چوٹ آئی۔ اور برف نے ان کی قوت بینائی کو بیکار کر دیا۔ اس کے بعد جماعت کے ایک بہت قابل اور طاقتور آدمی یعنی ایونز کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ وہ کمزور اور

بے بس ہو کر قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ اور ان لوگوں کو ایک جگہ ٹھیر کر اسکا انتظار کرنا پڑا۔ ۱۷۔ فروری کو برفستان کے دامن میں پورے ایک دن کی مشقت کے بعد ایونز اسقدر پیچھے رہ گیا۔ کہ اس کے رفقا کو فکر پیدا ہوئی۔ اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے روانہ ہوئے ایک مقام پر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایونز گھٹنوں کے بل بیٹھا ہے۔ اس کے کپڑے بے ترتیب ہو رہے ہیں۔ ہاتھوں پر دستانے نہیں ہیں۔ اور آنکھوں سے وحشت برس رہی ہے۔ یہ لوگ اسے بڑی مشکل سے اُٹھا کر خیمے میں لائے۔ لیکن اسی رات یہ بہادر سیّاح موت کا شکار ہو گیا!

سکاٹ کو اس ساتھی کی موت کا بے انتہا رنج ہُوا۔ اس نے اپنی سرگزشت میں جا بجا اُس شخص کی تعریف لکھی ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ وہ کام کرنے میں بے تکان تھا! اور ہمارے آرام و آسائش کی عجیب عجیب ترکیبیں اپنے دماغ سے سوچ کر نکالتا تھا۔ باقی چاروں آدمی اپنے رستے پر گامزن رہے۔ اور ہر ڈپو سے ساز و سامان اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ۱۶۔ مارچ کو کپتان اوٹس کے ہاتھ اور پاؤں بھی برف اور کُہرے کی شدت سے بیکار ہو گئے۔ اور وہ بہادر بھی انتقال کر گیا!

اس دن صبح ہی صبح کپتان اوٹس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ "آج تم چلے جاؤ۔ مَیں اپنے تھیلے میں سو رہونگا۔" سب نے کہا۔ کیا کہتے ہو؟ اتنے بہادر آدمی ہو کر جی چھوڑے جاتے ہو؟" چنانچہ وہ نہایت ضبط و تحمل سے دن بھر سفر کرتا رہا۔ اور رات کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سویا۔ جب صبح اُٹھا۔ تو حالت خراب ہو گئی تھی۔ اسوقت برفانی طوفان بہت تیز ہو رہا تھا۔ اس نے کہا "مَیں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ اور شاید

مجھے کچھ زیادہ دیر لگ جائے۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ اور پھر اِسے کسی نے نہیں دیکھا۔ سکاٹ لکھتا ہے۔" ہم جانتے تھے۔ کہ غریب اوٹس اپنے آپ کو ہمارے لئے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ خیال کر رہا ہے۔ اور اس طوفان میں محض جان دینے کی غرض سے باہر جا رہا ہے۔ ہم نے اسے بہتیرا روکا۔ لیکن اس نے ایک نہ مانی وہ حقیقت میں ایک بہادر انسان اور ایک اصلی انگریز تھا۔ اس نے دوسروں کی خاطر اپنی جان قربان کر دی تھی ٭

جب یہ تین باقی رہ گئے۔ تو اُنھوں نے جلد سے جلد" ون ٹن ڈیپو" تک پہنچنے کی کوشش کی۔ انہیں کئی دن سے توقع تھی۔ کہ اب کُتّے مِل جائینگے۔ اور اُن سے واپسی میں بہت مدد ملیگی۔ لیکن چیری گرارڈ جو کُتّوں کو لا رہا تھا۔" ون ٹن ڈیپو" میں چھ دن تک طوفان کی وجہ سے رُکا رہا۔ اس کے پاس اتنی خوراک نہ تھی۔ کہ وہ کُتّوں کو لیکر بے خطر جنوب کی طرف چل دیتا۔ اور اسے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ موسم کی خرابی کے باعث بھی سکاٹ تک پہنچنا دشوار ہے۔ چنانچہ اس نے وہیں انتظار کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ جب سکاٹ پہنچے۔ تو یہ اس کی مدد کو بالکل تیار ہو ٭

اگرچہ سکاٹ اور اس کے ساتھی ایک دوسرے کی ہمّت بندھا رہے تھے لیکن ان میں سے یہ یقین ایک کو بھی نہ تھا۔ کہ بخیر و عافیت اس علاقے سے نکل جائینگے ۱۸- مارچ کو جب وہ ڈیپو سے اکیس میل دُور تھے۔ آندھی نے انہیں آلیا۔ اور وہ فوراً قیام پر مجبور ہو گئے۔ سکاٹ کا دایاں پاؤں کُہرے کی شدّت سے بیکار ہو رہا تھا۔ اور بدہضمی کی تکلیف اس پر مستزاد تھی۔ ان لوگوں کے پاس تھوڑا سا تیل اور تھوڑی سی سپرٹ

باقی رہ گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر وہ بھی ختم ہوگئی۔ تو کوئی گرم چیز انہیں پینے کو نہ ملے گی۔ اور نتیجہ ہلاکت ہوگا *

ان تمام مصائب کے باوجود وہ برابر بڑھتے چلے گئے۔ یہانتک کہ ۲۱۔ تاریخ کو اُنھوں نے ڈپو سے کوئی گیارہ میل دور قیام کیا۔ طوفان برپا ہو رہا تھا۔ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایندھن ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ دل میں اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ کہ دوسرے دن وہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکیں گے *

کئی روز پیشتر سکاٹ اور باورز نے ڈاکٹر ولسن سے کہا تھا۔ کہ ہمیں زہر دیدو۔ تاکہ مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے۔ اس رات بھی جب موت کا سامنا تھا۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار تھے۔ ۲۹۔ تاریخ تک وہ ہر صبح ڈپو کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہوتے۔ جہاں خوراک ایندھن۔ دوست غرض زندگی کے تمام سامان موجود تھے لیکن ہر صبح برفانی طوفان کے فراٹے انکے سدِّ راہ ہو جاتے۔ اور وہ ایک قدم تک نہ اٹھا سکتے۔ ۲۹۔ تاریخ کو سکاٹ نے لکھا۔ "ہم آخری دم تک مصیبت کا مقابلہ کرینگے لیکن ہم دمبدم کمزور ہو رہے ہیں۔ اور خاتمہ بالکل نزدیک ہے۔ افسوس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ خُدا کے لئے ہمارے بال بچّوں کا خیال رکھنا *"

یہ تینوں بہادر اس برفانی ویرانے میں زندگی کے تمام سامانوں سے محروم ہو کر موت کا شکار ہو گئے۔ اور اہل عالم پر ثابت کر گئے۔ کہ جو لوگ زندگی کی مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کر لیتے ہیں۔ ان کے لئے موت کا مقابلہ کرنا بھی مشکل نہیں ہے *

The End